والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مع (رسالہ)
قبر کے احکام و آداب
کوکب نورانی اوکاڑوی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ○ پاکستان

اَللّٰہُ رَبُّ محمدٍ صلّٰی علیہ وَسلّما   نَحنُ عِبَادُ محمَّدٍ صلّٰی عَلیہ وَسلّما

مابین

چند روز ہوئے ساعت پر یہ بجلی گری کہ نبی کریم ﷺ کی مقدس ومطہر، طیبہ وطاہرہ والدہ ماجدہ، سیدۂ کائنات حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر انور نہ صرف مسمار کر دی گئی بلکہ بے دینوں نے اسے اکھاڑ دیا اور یہ بھی کہا گیا کہ ان کا جسد اقدس وہاں سے نکال دیا۔ الامان! یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا ہوا ہے......! بچشم خود دیکھ کر آنے والے گواہوں نے احوال سنایا اور اخبارات میں احتجاج کی کچھ خبریں بھی شائع ہوئیں، حرمین میں موجود احباب سے رابطہ ہوا، سبھی نے اس حادثہ فاجعہ کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق کی......خون کھولا، آنسو بہے......اہل ایمان کے سکوت پر دل دکھا......

ایسی جسارت وشرارت تو کفارِ مکہ تک نے نہیں کی اور وہ ارادہ ظاہر کرنے کے باوجود اس مذموم فعل سے باز رہے اور ڈرے مگر افسوس کہ خود کو مسلمان کہلانے والوں نے یہ ظلم ڈھایا! اس سانحے کے مجرم یقیناً دنیا وآخرت میں اس کی شدید سزا پائیں گے......لیکن ہمارے حکمرانوں کو کیا ہوا؟ ان کی ماؤں کی قبر کے ساتھ کوئی ایسا کرتا تو یہ کیا یوں ہی لہوولعب میں مگن رہتے؟ مسلم حکمران سب مہر بہ لب ہیں، کیوں؟......شاید اغیار نے ان کی غیرت کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ یہ اپنے دشمنوں کے نمک خوار ہیں، ان کے نمک حرام نہیں ہو سکتے۔ یہ پیزا ہٹ......کے ایف سی......مک ڈونلڈ کے ذریعے جو کچھ مسلمانوں کے خون میں اتارا جا رہا ہے، اس کے بعد ان مسلمانوں سے غیرت وحمیت کی توقع عبث ہے۔ مشتبہ ناپاک غذا کے بعد تو اولیاء کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ دشمنانِ اسلام مشکوک غذا مسلمانوں کو کھلا کر انہی سے مال کما کر اس کمائی سے انہی کے خلاف برسرِپیکار ہیں......ڈش اور کیبل سے جو ٹی وی چینلز دکھائے جا رہے ہیں وہ تفریح وتعلیم کے لئے نہیں بلکہ ذہن وفکر سے ایمان وروحانیت ختم کرنے کے لئے ہیں، معاشرے سے شرم وحیا اور اقدار مٹانے کے لیے

ہیں مگر ہمارے حکمرانوں کو تو نشۂ اقتدار نے بدمست کر رکھا ہے...... خود ہمارے معاشرے کے اخلاقی انحطاط کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اب کوئی سچ بولے تو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوتا ہے۔ ایمانی تشخص ہی نہیں، ہم اخلاقی اقدار کو بھی غیر اہم سمجھنے لگے ہیں۔ دین و مذہب اب شاید جبری قانون سمجھا جاتا ہے اور گناہ کو گناہ کہنا بدتہذیبی شمار ہوتا ہے...... یہ جاہلیت اخریٰ ہے...... انسان، انسانیت سے پھر خالی اور عاری ہو رہا ہے۔ ایسے میں حکمرانوں سے کوئی توقع کرنا ہی حماقت و غلطی ہے۔ اب دنیا میں زر اور زور کی حکمرانی ہے اور جو جتنا شاطر ہے اتنا ہی پسندیدہ ہے۔ اب بداطوار کے جرم نہیں، اس کی حیثیت دیکھی جاتی ہے اور صاحب حیثیت اور زورآور کا ہر جرم روا سمجھا جاتا ہے۔

کچھ دردمندوں نے اس سانحے کو تازیانہ سمجھا اور انہوں نے اپنی حیثیت اور ایمانی غیرت کے مطابق اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی...... اخباروں نے کمرشیل ازم کو صحافت پر ترجیح دی ہے، ان کا کہنا ہے کہ دینی خبروں یا شخصیات کی کوریج ان کے اخباروں کی اشاعت نہیں بڑھاتی۔ انہیں کسی گلوکارہ کی بیماری کی خبر نمایاں اور بار بار شائع کرنے سے جو رغبت ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ کی قبر شریف کی بے حرمتی کی خبر سے نہیں...... ''پالیسی'' کے بہانے وہ دس عذر تراشتے ہیں، اس سے یہ تاثر ہوگا، وہ ہوگا، یوں ہو جائے گا، ہمیں اشتہار نہیں ملیں گے، ہمارا اخبار اکچھ ملکوں میں نہیں جاسکے گا، پابندی لگ جائے گی...... یہی کمزوریاں، یہی عذر ہائے گوں ناگوں ہی ہمارے دشمنوں کی محنتوں کا نتیجہ ہیں۔ ہمیں اور رونا کس بات کا ہے! ہم غلام ہی رہے، آزاد نہ ہو سکے...... رہے ریڈیو اور ٹی وی...... تو وہ حکمرانوں کے تعیش کی نمائش کے لئے ہیں اور انہی کے پابند بھی، ان سے کیا اور کیسی توقع!

اس سانحہ کے بعد وہاں جانے والے چشم دید گواہوں نے بتایا کہ ظالم نجدیوں نے نہ صرف قبر شریف کی بے حرمتی کی بلکہ ام النبی سلام اللہ علیہا کے بارے میں شدید بکواس کی اور انہیں مومن ماننے سے انکار کر دیا۔ ہمیں احساس ہوا کہ ہمارے اکثر مسلمان بھائی تو بنیادی

دینی معلومات سے بھی آگاہ نہیں، اسی لئے غیروں کا پروپیگنڈا قبول کرلیتے ہیں...... کہیں ایسا نہ ہو وہ ان ظالموں کی اس ہرزہ سرائی کو سن کر ایسا ہی گمان کرنے لگیں اور کوئی گستاخی کر کے اپنا ایمان ضائع کر بیٹھیں...... ہم نے علمائے کرام سے رابطہ کیا، کچھ نے عذر ظاہر کیا کہ وہ اس لائق نہیں کہ عمدہ تحریر پیش کرسکیں کسی ایسے عالم کو ڈھونڈیں جو صاحب قلم بھی ہو۔ کچھ علماء نے وعدہ بھی کیا مگر ان کے تدریسی اور تبلیغی مشاغل اس قدر تھے کہ وہ جلد یہ کام انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ہمیں خطیب ملت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی یاد آئے، ہم نے ان سے بات کی، اس حادثے پر وہ بہت رنجیدہ تھے اور پہلے ہی سے اس تحریر کا ارادہ کئے ہوئے تھے اور اپنے ارادے میں پختہ تھے۔ انہوں نے کہا وہ صرف ایک ہفتے میں ہمیں پورا رسالہ لکھ کر دے دیں گے۔ انہوں نے اس موضوع پر پہلے سے موجود مطبوعہ تحریروں کی تفصیل ہمیں بتائی۔ ہم نے عرض کی کہ آپ تحریر و تقریر میں جولب ولہجہ رکھتے ہیں وہ نہایت بلیغ ہے اور بات نہ صرف سمجھ میں آتی ہے بلکہ دل میں نقش ہو جاتی ہے...... انہوں نے وعدے کے مطابق رسالہ ایک ہفتے میں ہمیں مکمل کر کے دے دیا۔ ہم نے اس میں قبر کے احکام و آداب کے بیان کو شامل کرنے کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے کہا کہ آپ اتنے حصے کی کمپوزنگ اور پروف کی تصحیح کرلیں اس دوران وہ ہماری یہ درخواست بھی پوری کردیں گے اور ایک ہفتے میں یہ کام بھی انہوں نے پورا کردیا۔

ہماری یہ کاوش نیک نیتی کے ساتھ تھی یوں پوری ہوگئی، ہم ایمانی عقیدت واحترام کے ساتھ بخوشی اسے ہدیہ قارئین کررہے ہیں، اللہ کرے کہ یہ ہم سب کے لئے علم وآگہی کے ساتھ ساتھ ہماری دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے بھی نافع ومفید ہو۔

محمد عرفان وقاری ۱۹۹۹ء

جمعیت اشاعت اہل سنت، کراچی کے جناب محمد عرفان وقاری نے ’’عرض ناشر‘‘ کے عنوان سے یہ تحریر لکھی تھی کیوں کہ یہ کتاب پہلے وہی شائع کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ بوجوہ اسے جلد شائع نہ کر سکے، ادھر احباب کو اس کتاب کا شدت سے انتظار تھا، اس لئے جمعیت اشاعت اہل سنت کی طرف سے اشاعت سے قبل ہم نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے اسے طبع کروانے کا اہتمام کیا اور محمد عرفان وقاری صاحب کی تحریر کو ’’مابین‘‘ کا عنوان دے کر اسی طرح شامل رکھا ہے۔ اس کتاب کا سرورق حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی فن کارانہ صلاحیت کا شاہ کار ہے اور اس کی فوری طباعت محترم صاحب زادہ محمد حفیظ البرکات شاہ کی خصوصی توجہ اور تعاون کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

کراچی	خادمین
1999ء	مولانا اوکاڑوی اکادمی (العالمی)

توجہ فرمائیں:۔ طبع اول میں املا کی جو غلطیاں کمپوزنگ میں ہوگئی تھیں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے اس کے باوجود قارئین کرام سے گزارش ہے کہ جو کوئی غلطی رہ گئی ہو ہمیں اس سے ضرور آگاہ فرمادیں، شکریہ۔ (ناشر)

انتساب

اپنے والدین کریمین

اور

ان تمام محترم ہستیوں

کے نام

جنہوں نے مجھے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

ان کی پاک، مبارک نسبتوں سے محبت اور

ان کا احترام سکھایا

اور

خاک کے ان مقدس ذروں کے نام

جن میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین

کے پاک وجود

آسودہ ہیں۔

کوکب غفرلہ

آغاز

نحمدہ و نستعینہ۔ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علیٰ آلہ واصحابہ و اتباعہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے معاشرے میں یہ تو کہا جاتا ہے کہ کسی فن میں ماہر ہی سے اس فن کے بارے میں پوچھا جائے تو صحیح رہ نمائی ہوگی، معالج، طبیب، جسمانی بیماری کے لیے دوا تجویز کرتے ہیں، ان سے رابطے اور ان کے فیصلے کو قطعی سمجھا جاتا ہے اور اس میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کی جاتی۔ کسی چیز کا وہ پرہیز بتائیں تو حیل و حجت نہیں کی جاتی بلکہ ان سے تو دلیل بھی نہیں مانگی جاتی، بخوشی ان کی ہدایت قبول کی جاتی ہے اور اسی میں صحت و عافیت سمجھی جاتی ہے......لیکن دین و ایمان کے معاملے میں یہ احتیاط بالعموم نہیں کی جاتی، ہر شخص دینی علوم سے ناواقفی کے باوجود خود مجتہد و مفتی بن جاتا ہے اور اپنی طبیعت کو شریعت بنانے کی کوشش کرتا ہے...... کیا ستم ہے کہ کسی لفظ کے معنی تو اہل زبان سے مشروط کیے جائیں مگر قرآن و حدیث کے معنی و مفہوم کے لیے اپنی رائے اور خام عقل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے ...... لوگوں کا یہی طور ان کی گمراہی بلکہ تباہی کا باعث ہے لیکن وہ اس بارے میں احتیاط کی اہمیت سے غافل ہیں۔

دینی و مذہبی علوم و فنون سے ناواقف شخص کو چاہیے کہ وہ علمائے حق سے دینی امور و معاملات میں رہ نمائی حاصل کرے اور اپنی رائے، عقل اور طبیعت کو قرآن و سنت کا پابند بنائے۔

زبان و قلم کا تو بے پرواہی سے کسی معاملے میں بھی استعمال اچھا نہیں سمجھا جاتا اور دینی و مذہبی، خاص امور میں تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ ذرا سی بے احتیاطی بھی قابل گرفت ہو جاتی ہے اور نامناسب الفاظ اور بے ادبی کا لہجہ و بیان، بلاشبہ شدید نقصان کا باعث ہے جو نہ صرف ایمان سے محروم کر دیتا ہے بلکہ دارین میں عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اہل ایمان یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر لازمی ہے اور ضروریات دین سے ہے، ان کی نسبتوں کا احترام بھی ضروری ہے، اگر کسی کو ان کی کسی نسبت کے بارے میں صحیح یا پوری معلومات نہ بھی ہوں، تب بھی زبان وقلم کو منفی یا بے ادبی کے لہجہ و بیان میں دراز کرنا سنگین غلطی ہے، علمائے اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ایسے مرحلے میں خاموشی بہتر ہے۔

اس فقیر گناہ گار نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مزارات کی زیارت و حاضری کا شرف (ماہ ستمبر، ۱۹۷۵ء میں) حاصل کیا اور دونوں مقامات کی تصویر بھی حاصل کی۔ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف مسجد نبوی کے داہنے دروازے باب السلام سے چند قدم کے فاصلے پر تھی، وہ حصہ اب مسجد نبوی میں شامل ہو گیا۔ چشم دید گواہوں اور اخبارات کے مطابق ان کا جسد مبارک چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی صحیح وسالم نکلا اور انہیں مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع شریف میں دفن کیا گیا، اسی طرف سے حضرت مالک بن سنان اور حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صحیح وسالم اجساد مبارکہ بھی نکال کر بقیع شریف میں منتقل کیے گئے...... (روزنامہ نوائے وقت، لاہور۔ ہفتہ، ۲۱ رجنوری ۱۹۷۸ء)...... ماہ صیام ۱۴۱۹ھ میں ابواء شریف میں رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدۂ کائنات حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسلام اللہ علیہا کی قبر شریف کو مسمار کر کے اس پر بلڈوزر چلانے کی روح فرسا خبر سننے کو ملی جس سے ہر مومن کی روح تڑپ اٹھی۔ یہ شرارت کرنے والوں نے اس مقدس خاتون کے بارے میں نازیبا اور گستاخانہ جملے بھی کہے۔ پاکستان میں ہر مسلمان جس تک یہ خبر پہنچی، اس نے شدت سے اسے محسوس کیا اور غیرت ایمانی اور محبت رسول کے تقاضے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی...... مجھ سے اس بارے میں لکھنے کی فرمائش کی گئی۔ ماہ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کے پہلے عشرے میں ایک رسالہ میں نے مکمل کرلیا اور اپنی طرف سے کوشش

کی کہ تمام عبارات وحوالے اصل کتابوں سے نقل کروں، جو کتابیں میرے ذاتی کتب خانے میں موجود نہیں تھیں ان حوالوں کے بارے میں کچھ خاص اہل علم پر اعتماد کرتے ہوئے نقل درنقل سے کام لیا جیسا کہ اکثر اہل قلم کیا کرتے ہیں۔

کوئی کتاب لکھتے ہوئے مصنف ومؤلف کے سامنے دوصورتیں ہوتی ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ اپنی تحریر میں موافق ومخالف جس قدر اقتباس وعبارات شامل کررہاہے وہ اصل کتابوں سے ہوں، وہ خود اپنی تحقیق ومطالعے اور تسلی وتشفی کے بعد انہیں تحریر میں شامل کرے تاکہ وہ جس عبارت کو پیش کررہاہے اور اسے اپنے موقف کی دلیل بنارہاہے اس پر ہرطرح سے مطمئن بھی ہو اور اسے اس عبارت کے صحیح ہونے پر اعتماد ہو یعنی وہ عبارت اپنی اصل میں موجود ہو......دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی کتاب کی عبارت یا اقتباس کو خود تو اصل کتاب میں نہ دیکھے بلکہ کسی اور کی کتاب میں دیکھے جہاں کسی نے اسے نقل کیا ہو(خواہ اسے معلوم نہ ہو کہ ناقل نے بھی اصل کتاب دیکھی ہے یا نہیں)اور اس طرح نقل درنقل کرتے ہوئے وہ عبارت یا اقتباس پیش کردے اور اس عبارت کی صحت کے بارے میں اسے صرف اس ناقل پر اعتماد ہو جس سے وہ نقل کررہاہے۔

اس دوسری صورت میں بھی دوصورتیں ہیں۔پہلی یہ کہ ناقل (نقل کرنے والا) اس کتاب کا حوالہ بھی درج کردیتاہے جہاں سے وہ کسی دوسرے کا اقتباس یا عبارت نقل کرتا ہے، اس طرح وہ دیانت کا مظاہرہ کرتاہے اور اس عبارت کی صحت کا پوری طرح خود ذمہ دار نہیں ٹھہرتا۔دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ناقل جس عبارت یا اقتباس کو نقل کرتاہے اس پر وہ حوالہ درج نہیں کرتا جہاں سے وہ اسے نقل کرتاہے بلکہ اصل کتاب کا حوالہ درج کرتاہے خواہ اس نے اصل کتاب دیکھی بھی نہ ہو اور خود اس کے اپنے پاس بھی اصل کتاب نہ ہو۔ یوں وہ خیانت بھی کرتاہے اور اس عبارت کی صحت وغیرہ کا خود ذمہ دار قرار پاتاہے، اس طرح وہ خود کو ناقل نہیں بلکہ محقق ثابت کرنا چاہتاہے۔

محققین اور ناقدین کے لیے اصل کتاب دیکھے بغیر لکھنا درست نہیں، انھیں سیاق و سباق دیکھے بغیر لکھنا سود مند نہیں ہوتا۔ مصنفین و مؤلفین کو دیانت داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے واضح کر دینا چاہیے کہ جو عبارت وہ پیش کر رہے ہیں یا جو اقتباس لکھ رہے ہیں، انہوں نے اسے کہاں سے نقل کیا ہے؟ یوں ان کی تحریر کی وقعت کم نہیں ہوگی بلکہ تنقید و تحقیق میں زیادہ معاون اور بہتر ثابت ہوگی۔ ہر اقتباس کے ساتھ کتاب کا صحیح صفحہ نمبر، جلد نمبر، ایڈیشن (بار اشاعت) بلکہ طابع اور سن اشاعت کا بھی ذکر کرنا چاہیے تا کہ کوئی دیکھنا چاہے تو اسے وہ حوالہ بآسانی مل جائے۔

اس فقیر نے علمی خیانتوں اور تعصّبات کے معاملے میں بڑے بڑے نام ملوث پائے ہیں اور تناقض و تعارض سے تو شاید ہی اہل قلم کی تحریریں خالی ہوں۔ قارئین اس سے شاید اہل علم کے معاملے میں بدگمان ہو جائیں تو ان پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کلام اللہ تعالیٰ (قرآن کریم) کے سوا کوئی کتاب ایسی نہیں جس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا ہو، یہی اہل علم ہمارے محسن بھی ہیں کہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ (قلمی نسخوں) کی تحقیق و تنقید میں حقائق بیان کر دیتے ہیں اور یوں ہر علمی خیانت و تعصب وغیرہ بے نقاب ہو جاتا ہے اور حق واضح ہو جاتا ہے۔

کتابوں کے مطالعے میں یہ بھی دیکھا کہ کوئی مصنف تو اپنی علمی استعداد اور مزاج کے مطابق دیانت داری سے اظہار کرتا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ بہت ایسے بھی ہیں جو صرف اپنے موقف کو بیان کرتے ہیں اور اسی کے مطابق دلائل قائم کرتے ہیں خواہ دیانت کا خون ہوتا رہے لیکن کفر و ایمان اور ضروریاتِ دین کے مسئلے میں اہل ایمان اہل حق کی تحریریں بہت محتاط ہیں کیوں کہ عقائد و احکام میں معمولی سی لغزش بھی سنگین نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اہل حق اکابر علمائے اسلام کی کتب گواہ ہیں کہ عقائد و احکام میں وہ کس قدر احتیاط کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان اور فضائل کے بارے میں یہ فقیر

جب اپنی تحریر مکمل کر چکا تو اپنی عادت کے مطابق اس تحریر کو اپنے استاد مکرم حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، فقیہ دوراں مولانا الحاج غلام علی صاحب قبلہ اشرفی اوکاڑوی دامت برکاتہم القدسیہ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اس کی اشاعت سے قبل اسے ملاحظہ فرمالیں اور جہاں کہیں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو، تصحیح واصلاح فرمادیں......وہ مجھ نالائق پر بہت مہربان ہیں اور ایسی شفقت فرماتے ہیں کہ فخر ہوتا ہے۔ میں نے چشم ہوش وا کرتے ہی اپنے والد گرامی قبلہ علیہ الرحمہ کے بعد انہی سے حروف کی پہچان اوران کا استعمال سیکھا ہے، دینی علوم ومعارف سے آگہی میں ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کے بعد حضرت شیخ الاسلام ہی میرے قبلہ و کعبہ رہے۔ حضرت نے مجھے بالخصوص یہی سکھایا کہ شخصیت کوئی ہو، یہ ضرور دیکھو کہ اس نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل کیا بیان کی ہے؟ کسی شخص پر اعتماد کی شرائط بھی حضرت نے تعلیم فرمائیں اور عبارت فہمی کے ساتھ ساتھ استنباط اور استدلال اور مسائل کے استخراج کا ایسا طریقہ سکھایا کہ شبہات راہ نہیں پاتے۔ یہ نہ مبالغہ ہے نہ مغالطہ، مجھے حضرت کی ذات میں وہ ہستیاں جمع نظر آئیں جنہیں ہم اپنا امام شمار کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام، میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ رحمتہ الباری کے بھی استاد ہیں۔ میرے پیر ومرشد حضرت گنج کرم سیدنا محمد اسماعیل شاہ بخاری حضرت کرماں والے رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ الاسلام پر اعتماد فرماتے اور طلب علم کی جستجو کرنے والوں کو حضرت شیخ الاسلام کی طرف راغب فرماتے، میرے شیخ طریقت کے نبیرہ (پوتے) حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ صمصام بخاری بھی حضرت شیخ الاسلام کے محبوب تلامذہ میں سے تھے۔ نقیب الاشراف حضرت پیر سیدنا طاہر علاؤ الدین گیلانی حضرت شیخ الاسلام کو اپنے استادوں کا استاد فرماتے اور نہایت تکریم فرماتے تھے۔ اللہ کریم حضرت شیخ الاسلام کی صحت وعمر میں برکت فرمائے اور ہمیں ان سے نفع کثیر پہنچائے، آمین۔

حضرت قبلہ شیخ الاسلام نے میری تحریر دیکھتے ہی فرمایا ''المستشار موتمن'' اور فرمایا کہ

عقیدت کے بیان میں تمہاری محنت قابل داد ہے مگر عقیدت کی اس تفصیل سے پہلے عقیدہ اور نفس مسئلہ کی تحقیق لکھواور میری تحریر کے چند جملوں کی ضروری اصلاح بھی فرمائی۔ یہ مسئلہ اتنا نازک اور مشکل تھا کہ میں اس کے لیے ہمت نہیں کر رہا تھا مگر رسالہ لکھ چکا تھا اور احباب کا تقاضا شدید تھا...... میں حضرت کی خدمت میں اوکاڑا پہنچا۔ رات گئے پہنچا تھا، اسی وقت حضرت نے جامعہ اشرف المدارس کے دارالافتاء سے وابستہ حضرت مولانا حافظ غلام یاسین اور حضرت مولانا غلام دستگیر صاحبان کو طلب فرمایا، یہ دونوں علماء بھی میرے حضرت کے فاضل تلامذہ میں سے ہیں۔ گیارہ بجے شب سے صبح فجر تک پہلے لکھے ہوئے مسودہ کی تحقیق وتصحیح ہوتی رہی اور اگلا دن تمام ہم سب سینکڑوں کتابوں میں اس مسئلہ کی تحقیق اور موافق ومخالف دلائل پر گفتگو کرتے رہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اب تک کوئی ایسی جامع تحریر کتابی شکل میں نہیں تھی جسے ہم ہر طرح صحیح اور مستند قرار دیتے۔ مصنفین ومؤلفین نے نامکمل حوالے درج کیے تھے اور زیادہ تر نے عقیدہ کی بجائے عقیدت ہی بیان کی تھی۔ میں نے رسالہ ماہ محرم کے پہلے عشرے میں لکھا تھا مگر ربیع الاول تک اس موضوع پر بہت سی تحریریں شائع ہو چکی تھیں اور کچھ نقل در نقل والا معاملہ تھا۔ مولوی محمد علی صاحب کی کتاب ''نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' اور حضرت علامہ مولانا فیض احمد صاحب اویسی کی کتاب ''ابوین مصطفیٰ'' مجھے سب سے آخر میں ملیں، یہ دونوں اس موضوع پر تمام رسائل کے مقابلے میں ضخیم اور جامع ہیں۔ ربیع النور شریف میں میں نے جلسوں کی بھرمار کے باوجود اس باب میں تحقیق جاری رکھی اور پھر وہ کتب جن کے حوالے دوسری کتابوں میں دیکھے، وہ اصل کتابیں حاصل کیں تاکہ پوری تسلی ہو سکے۔ اگر اپنی تحقیق کے مطابق تفصیل سے لکھتا تو سیکڑوں صفحات ہو جاتے اور تکرار بہت ہوتی، اس لیے اختصار سے کام لیتے ہوئے ضروری باتیں تحریر کیں اور ایک مرتبہ پھر حضرت شیخ الاسلام کو تصحیح واصلاح کے لیے مسودہ بھجوایا۔ یوں یہ کتاب جو باقی رسائل سے پہلے شائع ہوتی، سب سے آخر میں شائع ہو

رہی ہے...... یہاں ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے وہ یہ کہ میری تمام کتابیں حضرت شیخ الاسلام سے مصدقہ نہیں ہیں اور جو کتابیں میں حضرت کو نظر ثانی کے لیے دکھا چکا ہوں ان کا بھی تمام متن وہی نہیں ہے جو حضرت کا دیکھا ہوا ہے۔ تمام کتابیں اس لیے مصدقہ نہیں کہ کچھ تحریریں ایسی ہیں جو میں نے بیرون ملک سفر کے دوران لکھی تھیں اور حضرت کو نہیں دکھا سکا تھا اور باقی کتابوں کا یہ ہے کہ حضرت کو دکھانے کے بعد بھی ترمیم و اضافہ میں نے مسودوں میں کیا ہے اس لیے میری تحریروں کی فی الواقع کسی غلطی کا ذمہ دار حضرت کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ مصنفین اپنی تحریروں پر جن ہستیوں سے تقریظ اور تقدیم لکھواتے ہیں، انہیں جس قدر مسودہ دکھاتے ہیں اسی قدر ان حضرات کے علم میں ہوتا ہے۔ تقاریظ لکھوانے کے بعد مصنفین اپنے مسودوں میں جو اضافہ و تبدیلی کرتے ہیں وہ ان بزرگوں کو نہیں دکھاتے مگر ان کی تقریظ اسی طرح شامل رکھتے ہیں، یوں مصنف کی طرف سے تبدیلی و اضافہ کی کسی غلطی پر قارئین و ناقدین اس تقریظ لکھنے والے پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں اور یوں وہ ہستیاں خواہ مخواہ معترضہ بنا دی جاتی ہیں۔ یہی نہیں بہت سے مصنفین اپنی تحریروں پر لکھوائی جانے والی تقاریظ میں خود بھی تصرف کر لیتے ہیں جو بلاشبہ شدید خیانت اور سنگین جرم ہے۔ میری کوشش ہے کہ حضرت میری تمام کتب پر نظر ثانی فرمالیں، تاہم اہل علم قارئین سے بھی میری گزارش ہے کہ میری تحریروں میں جہاں کہیں فی الواقع کوئی غلطی دیکھیں مجھے ضرور آگاہ فرمائیں، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار رہوں گا۔

قارئین کرام! جن کتب کے تراجم ہو چکے ہیں، قارئین کی سہولت کے لیے ان کے تراجم سے عبارات نقل کی ہیں اور جہاں کہیں عربی فارسی عبارات نقل کی ہیں ان کے ساتھ ہی اردو ترجمہ بھی تحریر کر دیا ہے لیکن ایک بات میں واضح کر دوں کہ میں نے بغیر قطع و برید کے من وعن اور مکمل عبارات نقل کی ہیں اور تراجم والی عبارات میں بھی کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ کچھ الفاظ جو مجھے گوارا نہیں تھے وہ بھی میں نے تبدیل نہیں کیے۔ میں نے تکرار سے بچنے

کی بہت کوشش کی مگر ہر کتاب میں دلائل وہی تھے، یوں بعض دلائل کا تذکرہ بار بار ہوا ہے، تاہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا ذکر نسبت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وجہ سے مبارک ہے، اور قارئین تکرار کے باوجود اسے پڑھتے ہوئے محظوظ ہی ہوں گے...... دسویں صدی کے مشہور امام اور مجدد علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسائل میرے پاس نہیں تھے، بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی مل گئے۔ میرے حضرت شیخ الاسلام قبلہ ماہ ربیع النور شریف میں عمرہ وزیارت کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں ایک مکتبہ سے اپنے لیے لے آئے اور مجھے اس سے آگاہ فرمادیا تو میں نے وہاں سے منگوا لیے۔ میں نے اپنی تحریر میں امام سیوطی کی عبارات جہاں کہیں نقل کی ہیں وہاں حوالہ بھی اس کتاب کا دیا ہے، جہاں سے میں نے عبارات نقل کی ہیں اور امام سیوطی کے مجموعہ رسائل جس کا نام ''رسائل تسع'' ہے، اس کے بھی ان صفحات کا حوالہ درج کر دیا ہے جہاں سے وہ عبارت دوسروں نے نقل کی ہے بلکہ ان عبارات میں سے جو عبارت کسی اور کتاب میں دیکھی اس کا حوالہ بھی درج کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ امام سیوطی کے مجموعہ رسائل ''رسائل تسع'' کا صفحہ نمبر بطور حوالہ درج کیا ہے، ان کے ہر الگ رسالے کے نام سے حوالے درج نہیں کیے۔

ضرورت ہوئی تو طبع ثانی میں تمام اصل عربی عبارات بھی من وعن نقل کردوں گا اور مزید تحقیق پیش کروں گا۔ اس تمام تحریر کی تیاری حضرت قبلہ شیخ الاسلام کی رہ نمائی سے ممکن ہوئی اور حضرت مولانا غلام یاسین صاحب اور مولانا غلام دستگیر صاحب کے تعاون سے مجھے بہت آسانی ہوئی اور فائدہ پہنچا۔ ان کے حضور شکریہ ادا کرتے ہوئے دست بہ دعا ہوں کہ اللہ کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے حضرت شیخ الاسلام قبلہ اور ان علماء کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس میں جو کوئی کوتاہی یا غلطی ہوئی ہو، اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے، آمین

اس فقیر نے انہی دلائل کا خلاصہ اپنی اس تحریر میں پیش کیا ہے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات میں ہیں تا کہ اذہان وقلوب کوادب واحتیاط کے تقاضوں سے وابستہ رکھا جائے اور نامناسب یامنفی کلام کرنے والوں کو یہی باور کرایا جائے کہ اس باب میں بے احتیاطی و بے ادبی بلاشبہ ایذائے رسول کا موجب ہوگی جس کا انجام اچھانہیں ہوسکتا۔

اہل علم کو میری اس تحریر میں جہاں کہیں کوئی اختلاف یا اعتراض ہوتو وہ میری یہ وضاحت پیش نظر رکھیں کہ یہ ایک عقیدت مند کا ہدیۂ عقیدت ہےاورعقیدت ہی کے قلم سے لکھا گیا ہےاور یہ فقیر کتاب وسنت اورادب کے منافی کسی قول وفعل کوصحیح ثابت کرنے کے فعل سے کوئی شغف نہیں رکھتا۔اللہ کریم مجھےاورسب اہل ایمان کوحق اور نیکی پر استقامت عطافرمائے۔

قارئین کرام پہلے ’’مقدمہ‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

مقدمہ

اہل ایمان بخوبی جانتے ہیں کہ اسلامی عقائد کی بنیاد قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ ہیں، کسی مجتہد یا عالم ومفتی اور امام کے قول سے عقیدہ نہیں بنتا اور اسی عالم دین کا قول وفعل قبول کیا جاتا ہے جو قرآن وحدیث کی صحیح ترجمانی کرے۔ واضح رہے کہ عقائد میں کچھ قطعی ہیں اور کچھ ظنّی، ہر دو کے لئے احکام وقواعد وغیرہ جدا اور واضح ہیں، اہل علم اس تفصیل سے بخوبی واقف ہیں۔ اسلامی قطعی عقائد کی بنیاد قرآن وحدیث کی وہ نصوص ہیں جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں اور قطعی عقائد میں اخبار احاد (ایک شخص کی بیان کی ہوئی روایات) سے استدلال نہیں ہوسکتا اور تقلید کے حوالے سے اہل علم جانتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہرگز عقائد میں نہیں بلکہ فروعی احکام میں ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیات جو محل تاویل ہیں ان سے بھی کوئی قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا کیوں کہ مؤول اسے کہا جاتا ہے جس میں دوسرے صحیح قول کی صحیح تاویل کی گنجائش ہو اور یہ قاعدہ معروفہ ہے کہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** ۔ جب کسی آیت وحدیث میں ایسا احتمال پیدا ہو جو **ناشی عن الدلیل** ہو (یعنی جو دلیل سے ثابت ہو) تو جو تاویل اس کی مخالف ہو، اس تاویل سے استدلال مخدوش ہوجاتا ہے۔ صحیح مسئلہ کی تائید میں مؤول قول بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور کسی قول کو قبول کرتے ہوئے اہل علم یہ احتیاط بھی کرتے ہیں اس مسئلہ کے فن کے ماہر کو ترجیح دیتے ہیں یعنی جس شعبے میں جو ماہر اور قابل ہو اس کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور کسی مسئلے کو ثابت کرتے ہوئے اہل حق پوری طرح تسلی کرتے ہیں۔ ایمان وکفر کے حوالے سے جب کبھی بات ہوگی تو محض قیاس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا کیوں کہ قطعی عقائد واحکام میں قطعی اور صحیح وصریح دلائل ہی مطلوب ہوں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ وہ تاریخی صحیح حقائق جو اسلامی شرعی

اصولوں کے مخالف یا اس سے بالکل متضاد نہ ہوں، انہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

عقیدہ اور عقیدت میں فرق ہے۔ قطعی عقیدہ، قطعی الثبوت والدلالۃ نص صریح سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر، کافر قرار پاتا ہے، جب کہ عقیدت، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے معمولی اشارات اور ضعیف روایات سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے انکار کو صریح کفر نہیں کہا جاتا، لیکن صحیح حقائق اور دلائل حقہ کو عمداً تسلیم نہ کرنا، گمراہی وہٹ دھرمی اور عقیدت کے خلاف کو بے ادبی شمار کیا جاتا ہے۔ ہر مومن جانتا ہے کہ نجات کا مدار، صحیح عقائد ہیں۔ اگر عقائد صحیح نہیں ہوں گے تو صرف اچھے اعمال پر نجات ممکن نہیں، اسی لئے علمائے حق یہی تلقین کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی درستی ہر طرح ضروری و اہم ہے۔ اور عوام کو چاہئے کہ وہ علمائے حق سے وابستہ رہیں اور ان سے صحیح رہ نمائی حاصل کریں اور ناواقفی کی صورت میں لب کشائی یا خامہ فرسائی نہ کریں کیوں کہ عقائد واحکام میں زبان وقلم کو بغیر صحیح علم وآگہی کے دراز کرنا، شدید نقصان اور وبال کا باعث ہے۔

اس مختصر تفصیل کے بعد عرض ہے کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلب اور حضرت سیدتنا آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہما کے ایمان کا مسئلہ، عقیدہ کا نہیں، عقیدت کا ہے۔ یہ ایسا اعتقادی یا قطعی یا اجماعی مسئلہ نہیں جو ضروریات دین سے ہو یا جس کا انکار کفر ہو، بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے، لیکن مشاہیر اور اکابر علمائے اسلام کی ایک جماعت نے اس مسئلہ کی تصریح فرمائی ہے اور اسی مسلک کو قبول اور اختیار کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین موحد و مومن اور ناجی و جنتی ہیں بلکہ بعض احادیث کی رو سے جو کہ احیائے والدین کریمین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور تعدد طرق (راویوں کے مختلف سلسلوں کی بہت تعداد) کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچی ہوئی ہیں **کما صرح به الامام السیوطی فی رسائله و شیخ المحقق عبد الحق محدث دهلوی فی شروح الاحادیث کمالا یخفی علی من له ادنی تعلق بالعلم الحدیث** (جیسا

کہ امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالوں میں اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے احادیث کی شرح میں صراحت کی ہے جو کہ علم حدیث سے ادنی تعلق رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔) ان علمائے اسلام نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے خلاف کہنے کو سختی سے منع کیا ہے اور تاکید کی ہے کہ ان کے بارے میں دل صاف رکھا جائے اور ان کی گستاخی و بے ادبی میں زبان وقلم دراز کرنے پر اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا ہوگی جس کا نتیجہ وانجام بھیانک ہے۔ رسول کریم ﷺ کی نسبت وقرابت اور محبت وادب کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے والدین کریمین کے بارے میں منفی یا نامناسب کلام نہ کیا جائے کہ اسی میں خیر ہے۔

قارئین کرام! میرے ذاتی کتب خانے (لائبریری) میں جس قدر کتابیں موجود ہیں ان میں سے جن کتابوں میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا تذکرہ جہاں کہیں ہے وہاں امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے ان مستقل چھ رسائل کا ذکر ضرور ہے جو انھوں نے صرف ایمان ابوین کے بارے میں تحریر فرمائے اور یادگار بنائے ہیں۔ یوں یہ فقیر اپنی معلومات کے مطابق یہ کہہ سکتا ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں اس حوالے سے تمام تحریروں کا بنیادی ماخذ امام سیوطی ہی کے رسائل ہیں۔ امام سیوطی سے قبل جن علمائے اسلام نے ایمان ابوین کی تائید کا بیان اپنی مختلف تحریروں میں کیا ہے، امام سیوطی نے اپنے رسائل میں تقریباً ان سبھی کو اپنی تائید میں شامل کیا ہے، یوں امام سیوطی کے وہ رسائل اس موضوع پر تمام دلائل کا مجموعہ ہیں، البتہ دیگر علمائے اسلام نے ان دلائل پر اپنی تحریروں میں لفظ و بیان اور طرز استدلال میں اپنی خصوصیات کا بھی مظاہرہ فرمایا ہے۔ امام سیوطی کے یہ رسائل برصغیر میں بھی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئے اور اب پاکستان میں ان کے اردو تراجم بھی شائع ہونے کی خبریں آرہی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کا سن وصال ۹۱۱ ہجری، ۱۵۰۵ء ہے۔ انہیں

دسویں صدی کا مجدد شمار کیا گیا ہے۔ ان کی علمی مرتبت اہل علم میں مسلّمہ ہے۔ جناب انور شاہ کشمیری نے (جو علمائے دیوبند میں مشہور ہیں) فیض الباری، ص ۳۶۶ / ۴، مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ امام سیوطی کو بائیس مرتبہ بیداری میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔

''الکلام الحسن''، مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور کے ص ۱۷۵ / ۲ میں ہے، جناب اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں: ''حضرت شیخ جلال الدین سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو روز حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ بعض ایسی احادیث کی یہ توثیق کرتے ہیں جن کی اور محدثین توثیق نہیں کرتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور سے دریافت کر لیتے ہیں۔ اور بعض نے نقل کیا ہے کہ حضور کے سامنے جب حدیث کا ذکر ہوا اور حضور کا چہرۂ انور بشاش ہوا تو یہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے، صحت کا فتویٰ لگا دیتے تھے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ضعیف ہونے کا حکم کرتے۔ ان کو حضور (ﷺ) کی رویت بیداری میں بھی ہوتی تھی۔''

امام سیوطی نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان اور ان کے ناجی و جنتی ہونے کے بیان میں جو رسائل تحریر فرمائے ہیں وہ ان کی کتاب ''الرسائل التسع'' (مطبوعہ دار احیاء العلوم، بیروت، طبع ثانی ۱۴۰۹ھ) میں شامل ہیں۔ ان چھ رسائل کے نام یہ ہیں:

۱۔ **مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی (ﷺ)**

۲۔ **الدرج المنیفه فی الآباء الشریفه**

۳۔ **المقامة السندسیه فی النسبة المصطفویه (ﷺ)**

۴۔ **التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول الله (ﷺ) فی الجنة**

۵۔ **نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین**

۶۔ **السبل الجلیه فی الآباء العلیه**

☆ برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث پھیلانے والے محقق علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اہل علم میں نہایت نمایاں وممتاز ہیں۔ جناب اشرفعلی تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو روزانہ خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی۔ (افاضات یومیہ، ص۶، ح۷)

غیر مقلد نواب صدیق حسن خاں بھوپالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین ہندوستان پر احسان فرمایا کہ شیخ عبدالحق بن سیف الدین ترک جیسے علماء کو علم حدیث سے سرفراز کر کے اس علم اور اس کے فیض کو یہاں عام کر دیا، وہی (شیخ عبدالحق) اس علم کو سب سے پہلے یہاں لائے اور نہایت عمدگی سے اس کا فیضان عام کیا۔ (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ، مطبع نظامی کان پور، ص ۷۰)

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ محقق کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: مخدوما مکرما ...... وجود شریف ایشاں دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است۔ (مکتوبات، حصہ ششم، دفتر دوم)

یہ شیخ محقق حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''وامامتاخرین پس تحقیق اثبات کردہ اند اسلام والدین بلکہ تمامہ آبا و امہات آں حضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاآدم عم و ایشان رادر اثبات آں سہ طریقہ است یا ایشان بردین ابراہیم بودہ اند یا آں کہ ایشاں رادعوت نہ رسیدہ و مردہ کہ در زمان فترت بودہ و مردند پیش از زمان نبوت یا آں کہ زندہ گردانیدہ خدائے تعالی ایشان را بردست آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و بدعائے وے پس ایمان آوردند و حدیث احیائے والدین اگرچہ در حد ذات خود ضعیف است لیکن تصحیح و تحسین کردہ اند آں رابتعدد طرق و ایں علم گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد آں را حق

تعالی برمتاخرین واللہ یختص برحمته من یشاء بماشاء من فضله و شیخ جلال الدین سیوطی رحمة الله علیه رسائل تصنیف کرده اند و آن رابدلائل اثبات نموده و از شبه مخالفان جواب داده اگر آن رانقل کنیم سخن دراز گرددھم درآن جاباید نگریست، والله اعلم۔" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، فارسی، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۹۳۶، ص ۷۱۸، ج ۱)

ترجمہ: اور لیکن متاخرین (بعد میں آنے والوں) نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے اسلام کو تحقیقی طور پر (دلائل سے) ثابت کیا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے تمام آباء و امہات حضرت آدم علیہ السلام سے والدین کریمین (حضرت سیدنا عبداللہ و حضرت سیدہ آمنہ) تک سب کو مسلمان ثابت کیا ہے اور ان کے اسلام کے اثبات (ثابت کرنے) کے تین طریقے بیان کیے ہیں۔ (۱)۔ یہ کہ وہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ (۲) یا یہ کہ انہیں دعوت نہیں پہنچی اور وہ دونوں زمانہ فترت میں یعنی نبی پاک ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (۳) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر آپ (ﷺ) کی دعا سے انہیں زندہ فرمایا تو وہ رسول پاک ﷺ پر ایمان لائے۔ اور وہ حدیث شریف جس میں والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر ہے اگرچہ فی حد ذاتہ (اپنی اصل میں) ضعیف ہے لیکن تعدد طرق کی وجہ سے اس کی محدثین (ماہرین حدیث) نے تصحیح و تحسین کی ہے اور گویا کہ یہ علم متقدمین (پہلے ہونے والوں) سے پوشیدہ تھا، اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر اس کو کھول (ظاہر کر) دیا اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے جس کو چاہتا ہے، جس چیز کے ساتھ چاہتا ہے خاص فرما دیتا ہے۔ اور علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ رسائل تصنیف کیے ہیں ان میں نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین (رضی اللہ عنہما) کے اسلام کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کے جواب دیئے ہیں اگر ہم ان کو نقل کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ آپ وہیں

(یعنی ان رسائل ہی) سے ملاحظہ فرمالیں۔

اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں: ''اما آباے کرام آں حضرت ﷺ پس همه ایشاں از آدم تا عبد الله طاهر و مطهر اند از د نس کفر و رجس شرک چناں که فرمود بیرون آمده ام از اصلاب طاهره بارحام طاهره و دلائل دیگر که متاخرین علمائے حدیث آں را تحریر و تقریر نموده اند ولعمری این علمی ست که حق تعالیٰ سبحانه مخصوص گردانیده است باین متاخرین را یعنی علم آں که آبا و اجداد شریف آں حضرت (ﷺ) همه بردین توحید و اسلام بوده اند واز کلام متقدمین لائح می گرد د کلمات برخلاف آں و ذلک فضل الله یوتیه من یشاء و یختص به من یشاء و خدا جزاے خیر د هد شیخ جلال الدین سیوطی را که دریں باب رسائل تصنیف کرده اند و افاده و اجاده نمود ایں مدعا را ظاهر و باهر گردانیده است و حاشا لله که این نور پاک را در جائے ظلماتے پلید نهند و در عرصات آخرت به تعذیب و تحقیر آباء اورا مخزے و مخذول گردانند۔'' (ص٤٦٦، جلد رابع، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (کتاب الفتن باب فضائل سید المرسلین فصل ١) مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ ١٩٣٤ء)

ترجمہ: لیکن آں حضرت ﷺ کے تمام آبائے کرام حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت سیدنا عبداللہ (رضی اللہ عنہ) تک سب کے سب کفر کی میل اور شرک کی پلیدی سے طاہر ومطہر (پاک وصاف اور ستھرے) ہیں جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اصلاب طاہرہ (پاک پشتوں) اور ارحام طاہرہ (پاک شکموں) سے پیدا فرمایا اور بہت سے دوسرے دلائل جن کی متاخرین علماء حدیث نے تقریر وتحریر فرمائی ہے اور مجھے اپنی جان کی قسم، یہ وہ علم ہے کہ متاخرین کو حق تعالیٰ سبحانہ نے اس (علم) سے مخصوص

فرمایا ہے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء و اجداد، توحید اور اسلام کے دین پر تھے حالاں کہ متقدمین کے کلام سے ان کلمات کے خلاف ظاہر ہوا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے اس کے ساتھ خاص فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس باب میں رسائل تصنیف کئے ہیں اور بہترین افادہ اور اجادہ (فائدہ دینے والے اور عمدہ بیان) سے اس مدعا کو ظاہر و باہر فرمایا ہے اور حاشاللہ (اللہ کی پناہ) کہ اس پاک نور کو پلید اور ظلمات گمراہی کی جگہ میں رکھے اور محشر میں ان کے آباء واجداد کو رسوا کرے اور چھوڑ دے (یعنی ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا)۔

☆ ''ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ''، علامہ محبّ الدین احمد بن عبداللہ الطبری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۶۹۴ھ) کی کتاب ہے، دارالمعرفہ بیروت سے طبع شدہ ہے، اس کے ص۲۵۷ سے ۲۵۹ تک نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور ان کے دوبارہ زندہ ہونے اور ایمان لانے کا تذکرہ ہے۔ ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی کتاب شمول الاسلام میں لکھتے ہیں: ''ان (امام محبّ طبری) کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ امام نووی کے بعد ان جیسا حدیث میں کوئی نہ ہوا۔''

☆ ''سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد'' امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (المتوفی ۹۴۲ھ) کی کتاب ہے، دارالکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۴۱۴ھ میں طبع ہوئی، اس کی جلد اول کے ص۲۲۹ سے ص۳۳۳ تک اور جلد دوم کے ص۱۲۰ سے ص۱۲۸ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب اور آبائے کرام اور ایمان والدین کریمین کا تذکرہ ہے۔

☆ ''مواہب لدنیہ'' امام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک ابن احمد القسطلانی المصری الشافعی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ ''سیرت محمدیہ'' کے نام سے تاج پریس حیدر آباد دکن میں ۱۳۴۲ھ میں طبع ہوا۔ ''بستان المحدثین'' میں سراج

الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''المواہب اللدنیہ بھی ان (امام قسطلانی) کی ہی تصنیف ہے جو اپنے باب میں لاثانی ہے۔'' (ص ۲۰۳۔ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)۔ مواہب لدنیہ میں ص ۹۱ سے ۱۰۵ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کا تذکرہ ہے۔

☆ ''زرقانی علی المواہب'' علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (المتوفی ۱۱۲۲ھ) کی مشہور کتاب ہے۔ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ کی جلد اول میں ص ۱۶۳ سے ۱۸۸ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے دلائل بیان کیے گیے ہیں اور ان تمام اہل علم کے اقوال درج کئے گئے ہیں جن کی اس بارے میں تحریریں ہیں۔

☆ ''تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس'' امام شیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری (المتوفی ۹۶۶ھ) کی تصنیف ہے۔ مطبوعہ مؤسسہ شعبان، بیروت ۱۲۸۳ھ کی جلد اول کے ص ۲۲۹ سے ۲۸۳ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے دلائل بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں ان تمام کتابوں کے نام درج کئے ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا۔

☆ ''اعلام النبوۃ'' علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (المتوفی ۴۵۰ھ) کی کتاب ہے، داراحیاء العلوم، بیروت سے طبع شدہ ہے، اس کے ص ۲۱۵ سے ص ۲۵۱ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرفِ نسب اور ولادت کے واقعات کا بیان ہے اور امام ماوردی نے شرفِ نسب اور پاکیزگی کو نبوت کی شرط لکھا ہے۔

☆ ''التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ'' علامہ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری القرطبی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) کی کتاب ہے جو دارالکتب العلمیہ بیروت کی مطبوعہ ہے اس کے ص ۱۶ اور ۱۷ پر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانے کا تذکرہ کرتے ہوئے دلائل بیان کیے ہیں۔

☆ ''رفع الخفا شرح ذات الشفا'' شیخ علامہ محمد ابن الحاج حسن الآلانی الکردی (م ۱۱۸۹ھ) کی کتاب ہے، دار احسان، طہران کی مطبوعہ ہے۔ اس کے ص ۵۵ سے ۷۲ تک والدین رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ایمان کا نفیس تذکرہ ہے۔

☆ ''السیرۃ الحلبیہ'' علامہ شیخ علی ابن برہان الدین حلبی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) کی مشہور کتاب ہے جس کا اصل نام ''انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون'' ہے، عربی میں یہ کتاب دارالمعرفہ بیروت سے طبع ہوئی، اس کا اردو ترجمہ دیوبندی عالم جناب محمد اسلم قاسمی نے کیا ہے جسے دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم جناب قاری محمد طیب لکھتے ہیں ''سیرت حلبیہ الامام الہمام، الشیخ علی ابن برہان الدین حلبی کے قلم سیرت نگار کا شاہ کار ہے جس کی امت نے ہر دور میں تلقی بالقبول کی ہے، صدیوں سے یہ کتاب تمام کتب سیرت کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور مشکلات سیرت میں علماء نے اس کی طرف خاص طور پر رجوع کیا ہے اور اسے مشعل راہ بنایا ہے اور اپنی اپنی تالیفات سیرت کو اسی کے حوالوں سے مزین اور مستند بنایا ہے اور انہیں قابل اعتماد ثابت کیا ہے اس لئے اگر اسے امّ السیر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔'' (ص ۳۹، ۴۰ سیرت حلبیہ اردو، جلد اول)

اس عربی کتاب کی جلد اول کے ص ۶ سے ۱۷۷ اور اردو ترجمہ میں جلد اول کے ص ۹۷ سے ۱۷۶ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کا شرف اور والدین کریمین کے حالات و واقعات اور ان کے ایمان کا تذکرہ دلائل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

☆ یہاں صرف چند کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سی قدیم و جدید کتابوں میں اکابر علماء اسلام نے یہ موضوع بیان کیا ہے۔

☆ ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) کی کتاب ہے جو بیروت میں طبع ہوئی۔ اس کے ص ۴۱۲ سے ۴۲۱ تک احیائے ابوین اور ان کے ایمان کے دلائل نہایت عمدہ پیرائے میں بیان

ہوئے ہیں۔ انہوں نے ص ۴ پر ان کتابوں کے نام درج کیے ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کرتے ہوئے اپنی یہ کتاب مرتب فرمائی۔

علامہ نبہانی نے امام ابن حجر، علامہ تلمسانی، علامہ ابو القاسم سہیلی، امام قسطلانی، علامہ زرقانی، علامہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی، حافظ ابو القاسم ابن عساکر، حافظ ابو حفص بن شاہین، امام قرطبی، امام محبّ الدین طبری، علامہ ناصر الدین بن منیر، علامہ حافظ فتح الدین محمد ابن سید الناس، علامہ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی، امام فخر الدین الرازی، امام بوصیری، امام سبکی، علامہ اسدی، علامہ صفدی، امام غزالی وغیرہم (رحمتہ اللہ علیہم) کے اقوال پیش کئے ہیں۔ علامہ نبہانی، امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر کی دعا فرماتے ہیں کیوں کہ امام سیوطی نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان ثابت کرنے میں مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور ان میں روشن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ والدین رسالت مآب ناجی اور جنتی ہیں۔ (واضح رہے کہ علامہ نبہانی کی تحریر بھی امام سیوطی ہی کے رسائل سے ماخوذ ہے)۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی فرماتے ہیں کہ امام سیوطی نے جو دلائل قائم کئے ہیں وہ کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کو ان کی ظاہری دنیوی زندگی میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور وہ دونوں جوانی کی ابتدا ہی میں وفات پا گئے۔ امام سیوطی نے اس پر متعدد دلائل بیان کرتے ہوئے ان کا ناجی و جنتی ہونا ثابت کیا ہے۔

(۲) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین اہل فترت تھے۔

امام سیوطی نے فترت اور اہل فترت کے بارے میں دلائل بیان کرتے ہوئے ثابت کیا کہ وہ عذاب نہیں دیئے جائیں گے۔

(۳) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین دین حنیف، دین ابراہیمی پر تھے اور موحد تھے، شرک و کفر کی آلودگی سے پاک تھے۔ امام سیوطی نے اس بارے میں دلائل و شواہد تفصیل

سے بیان کیے ہیں۔

(۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو اللہ تعالیٰ نے پھر زندہ کیا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ امام سیوطی نے اس حوالے سے نہایت عمدہ پیرائے میں دلائل کو تفصیل سے بیان کیا اور ان تمام دلائل پر جو اعتراض ہو سکتے تھے ان کا عمدہ جواب دیا۔

علامہ نبہانی فرماتے ہیں: ''**وقد مال الی هذه السبيل الامام فخر الدين الرازی فقال ان آباء ه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلهم الی آدم عليه الصلوٰة والسلام کا نوا علی التوحيد انتهی۔**'' (ص ۴۱۴۔رسائل تسع ص ۹۲)

اور اسی راستے کی طرف امام فخر الدین رازی مائل ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام آباء وامہات (موحد) توحید پر تھے۔

(امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) کا یہ مذکورہ بالا ارشاد ان کی مشہور تفسیر کبیر میں تو نہیں ہے مگر امام قسطلانی، امام سیوطی، علامہ زرقانی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر اکابر علماء اسلام نے امام رازی کا یہ قول ان کی کتاب ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اسرار التنزیل امام رازی کی تصانیف میں مختصر معروف تفسیر ہے جس کا ذکر جناب عبدالسلام ندوی نے اپنی کتاب ''امام رازی'' (مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸ء) میں ص ۳۴ پر کیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ کتاب اسرار التنزیل، تفسیر کبیر کے بعد لکھی گئی ہو)۔

علامہ یوسف نبہانی فرماتے ہیں: ''**ومن خصائصه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فيما ذکره الغز الی ان الله ملکه الجنه، واذن له ان يقطع منها من يشاء ماشاء واعظم بذلک منه، و خصه بطهارة النسب تعظيما لشانه، و حفظ آباء ه من الدنس تتميما لبرهانه، وجعل کل اصل من اصوله خير اهل زمانه۔**'' (ص ۴۱۴۔

رسائل تسع ص ۱۱۰)

اور یہ رسول کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے جس کے بارے میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو جنت کا مالک بنا دیا ہے اور ان کے لئے اجازت واختیار ہے کہ اس جنت میں سے جسے چاہیں اور جو چاہیں جاگیر عطا فرمادیں، اس سے بھی زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کی عظمت شان کی وجہ سے نسب کی طہارت و پاکیزگی کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی پاک ﷺ کے آباؤ اجداد کو آپ کی برہان نبوت کو کامل کرنے کے لئے میل کچیل سے پاک رکھا اور آپ کے تمام اصول (آباواجداد) کو ان کے اہل زمانہ سے بہتر بنایا۔

علامہ نبہانی فرماتے ہیں: ''**وسلک الامام فخر الدین الرازی مسلکا آخر فی غایة التبجیل والتعظیم، فقال انھمالم یکونا مشرکین بل کانا علی التوحید و ملة ابراھیم، وزاد ان اجدادہ ﷺ کلھم الی آدم کذلک، سالکون من التوحید فی اقوم المسالک۔**'' (ص ۴۱۸۔ رسائل تسع ص ۱۱۷) اور امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دوسرا مسلک بیان کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی نہایت تعظیم وتجیل (بزرگی اور عزت) ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ وہ (رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین) ہرگز مشرک نہیں تھے بلکہ توحید پر تھے اور ملت ابراہیم پر تھے۔ اور زیادہ کیا کہ بلاشبہ نبی پاک ﷺ کے تمام آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب اسی طرح تھے توحید پر چلنے والے، تمام مسلکوں میں سے درست ترین مسلک پر یعنی سبھی موحد تھے۔ (یہ ارشاد بھی اسرار التنزیل سے نقل کیا گیا ہے)

☆ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے اپنی دوسری تالیف ''الانوار المحمد یہ من المواھب اللدنیہ'' (مطبوعہ بیروت، ۱۳۱۰ھ) جلد اول کے ص ۳۳ تا ۳۵ میں بھی احیائے ابوین اور ان کے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ پانچویں صدی ہجری سے اب تک تقریباً ایک ہزار برس میں اکثر علماء اسلام اسی مسلک پر جمع ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین موحد ومومن اور ناجی وجنتی ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) (صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری) کے ان الفاظ میں ایمان وعقیدت کا اظہار یہاں بھی نہایت موزوں ہے کہ **من قال فی غیر ذلک فاذنی عنه اصم**۔ (جس کسی نے اس کے سوا کچھ کہا تو اس کے سننے سے میرے کان بہرے ہیں)۔

☆ ''الاشباہ والنظائر'' میں علامہ زین الدین ابراہیم ابن نجیم (المتوفی ۹۷۰ھ) جو اہل علم میں بلند مرتبہ اور ثقہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''**ومن مات علی الکفر ابیح لعنه الاوالدی رسول الله** ﷺ **لثبوت ان الله احیا هما حتی آمنابه**۔'' (ص۴٦۷/ ۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی) اور ہر اس شخص پر لعنت کرنا جائز وحلال ہے جو کفر پر مرا ہے سوائے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے کیوں کہ ان کے لئے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کیا یہاں تک کہ وہ رسول پاک (ﷺ) پر ایمان لائے۔

☆ اسی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے حاشیہ پر علامہ سید احمد بن محمد حموی (المتوفی ۱۰۹۸ھ) دلائل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **فجملة هذه المسئلة لیست من الاعتقادات فلا حظ للقلب منها واما اللسان فحقه الامساک عما یتبادرمنه النقصان خصوصا الی وهم العامة لانهم لا یقدرون علی دفعه و تدارکه هذا خلاصة ما فی هذا المقام من الکلام، والله ولی والفضل والانعام** (۴٦۷/ ۲۔ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی)

حاصل کلام یہ کہ یہ مسئلہ (ایمان ابوین کا) اعتقادی نہیں اس لئے قلب کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ رہی زبان تو اس کا حق بھی یہی ہے کہ اسے ان تمام باتوں سے روکا جائے جن سے نقصان بڑھتا ہے (یعنی کوئی ایسا کلمہ جس سے تنقیص وتوہین ہوتی ہو یا جس سے ایذائے

رسول کا اندیشہ ہوتا ہو وہ کہنے سے بہتر ہے کہ زبان کو بند رکھا جائے) بالخصوص عام لوگوں کا وہم (زیادہ نقصان کرتا ہے) اس لئے کہ وہ لوگ اس وہم کو دفع دور کرنے اور اس کے تدارک پر قدرت نہیں رکھتے۔ اس مقام میں کلام کا یہی خلاصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فضل و انعام کا مالک ہے۔

☆ ''حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار'' از علامہ سید احمد طحطاوی حنفی (المتوفی ۱۲۳۱ھ) (مطبوعہ دار المعروفہ بیروت ۱۳۹۵ھ) میں ہے: ''**وبالجملة لا ینبغی ذکر هذه المسئلة الامع مزید الادب ولیست من المسائل التی یضر جهلها اویسأل عنها فی القبر اوفی الموقف فحفظ اللسان عن التکلم فیها الابخیر اولی و اسلم۔**'' (ص ۸۰ / ۲) حاصل کلام یہ کہ اس مسئلہ کا ذکر نہایت ادب واحترام ہی سے کیا جائے اور یہ ان مسائل سے نہیں کہ جن کا نہ جاننا نقصان دے یا اس بارے میں قبر وحشر میں کوئی سوال ہو گا (یعنی ایسا نہیں ہے) پس بھلائی اور خیر کے سوا اس بارے میں زبان کو کلام سے روکے رکھنے ہی میں سلامتی اور بہتری ہے۔

☆ ''**المستند المعتمد شرح المعتقد المنتقد**'' حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب ہے اور اس کتاب پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے حواشی ہیں یا اس کی شرح فاضل بریلوی نے کی ہے۔ اس کے حواشی میں یہ عبارت ہے: ''**وانما الحق ما افادالامام السیوطی ان المسئلة خلافیة وان کلا الفریقین ائمة اجلاء واما الکتاب فلانص فیه علی شئی فی الباب وان تعلق ببعض ما یذکر فی اسباب النزول کا نارجوعا الی الحدیث ولا شک انه هو الماخذ وحده لا مثال المسئلة والسیوطی اعلی کعبا اوسع باعا واعظم ذراعا منکم ومن اضعاف امثالکم فی المعرفة بالحدیث و طرقه و علله ورجاله و احواله فکان الاسلم لکم القبول والافالتسلیم**

و الافالسکوت ۔'' (ص۱۷٦)۔اوراس (ایمان ابوین کے) بارے میں حق وہی ہے جو امام سیوطی (رحمتہ اللہ علیہ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ خلافیہ (اختلافی) ہے اوراس مسئلہ کے فریقین (ماننے والے اور نہ ماننے والے) بڑے بڑے امام ہیں اورقرآن کریم میں اس بارے میں کوئی قطعی نص بھی نہیں ہے، البتہ بعض ان چیزوں سے جو نزول کے اسباب میں بیان ہوئی ہیں (ان سے) اس مسئلے کا تعلق کیا جاتا ہے، اس لئے فریقین کو احادیث کی طرف رجوع کی ضرورت ہوئی اور ایسے مسائل کے لئے احادیث ہی تنہا ماخذ ہوسکتی ہیں اور امام سیوطی (رحمتہ اللہ علیہ) فریق مخالف سے اس فن حدیث میں بدرجہا اعلی وارفع اوراعظم ہیں بلکہ ان جیسے کئی مسئلوں سے حدیث کی پہچان (معرفت حدیث) اوراس کے طرق اور اس کے علل اوراس کے رجال واحوال میں اعلی اوراعلم (بہتر اورزیادہ جاننے والے) ہیں۔ پس منکرین کے لئے طریق اسلم (ایمان ابوین کا) قبول ہے ورنہ تسلیم (نہ انکار نہ اقرار) ورنہ سکوت (خاموشی)۔

☆ ''زرقانی علی المواہب'' میں متعدد دلائل کے بیان کے بعد ہے: **و قد بینا لک ایها المالکی حکم الابوین فاذا سئلت عنهما فقل همانا جیان فی الجنة اما لا نهما احییا حتی آمنا کما جزم به الحافظ السهیلی والقرطبی وناصر الدین بن المنیر وان کان الحدیث ضعیفا کما جزم به اولهم ووافقه جماعة من الحفاظ لانه فی منقبة وهی یعمل فیها بالحدیث الضعیف واما لانهما ماتا فی الفترة قبل البعثة ولا تعذیب قبلها کما جزم به الابی واما لانهما کانا علی الحنیفیة والتوحید لم یتقدم لهما شرک کما قطع به الامام السنوسی والتلمسانی المتاخر محشی الشفاء فهذا ما وقفنا علیه من علمائنا ولم نرلغیر هم مایخالفه الاما یشم من نفس ابن دحیة وقد تکفل برده القرطبی**۔'' (ص۱۸٦/۱، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اے مالکی! ہم نے تیرے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کا حکم بیان کر دیا ہے۔ جب تجھ سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں تم کہنا کہ وہ دونوں ناجی (نجات پائے ہوئے) جنت میں ہیں یا تو اس لئے کہ ان دونوں کو زندہ کیا گیا یہاں تک کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے جیسا کہ اس پر حافظ سہیلی اور قرطبی اور ناصر الدین ابن منیر نے جزم (☆) کیا ہے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں (علماء) نے بھی جزم کیا اگرچہ حدیث ضعیف ہے اور حفاظ کی ایک جماعت نے بھی اس کی موافقت کی ہے اس لئے کہ یہ حدیث فضیلت اور منقبت میں ہے اور ان (فضائل ومناقب کی) باتوں میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا وصال بعثت نبوی سے پہلے زمانہ فترت میں ہوا ہے اور بعثت نبوی سے پہلے زمانہ فترت کے فوت شدہ لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا جیسا کہ ابی نے اس پر جزم کیا ہے اور یا اس لئے کہ وہ دونوں ملت حنفیہ اور توحید پر تھے، انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا جیسا کہ امام سنوسی اور تلمسانی متاخر محشی شفا کا یقین ہے، یہ وہ منقولات ہیں جن کو ہم نے اپنے علماء سے جانا ہے اور ابن دحیہ کے سوا ہم نے کسی اور سے مخالفت کی بو کو محسوس نہیں کیا ہے اور اس کا رد علامہ قرطبی نے کر دیا ہے۔

☆ **"حاشیہ ردالمحتار علی الدرالمختار المعروف بفتاوی شامی"** میں علامہ محمد امین ابن عابدین (متوفی ۱۲۵۲ھ) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"مطلب فی احیاء ابوی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد موتھما: الاتری ان نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاۃ ابویہ لہ حتی آمنا بہ کما فی حدیث صححہ القرطبی و ابن ناصر الدین (☆☆) حافظ الشام و غیرھما، فانتفعا بالایمان بعد الموت**

(☆) جزم کے معنی، مضبوط، پکا اور پختہ کرنے کے ہیں، یعنی جزم سے مراد، تائید وتوثیق ہے۔

(☆) یہ تصحیح محدثانہ نہیں، لغوی معنی میں ہے، یا اس معنی میں ہے کہ ضعیف حدیث طرقِ متعددہ (راویوں کے مختلف سلسلوں کی بڑی تعداد) سے حسن لغیرہ کے درجے کو پہنچ جاتی ہے جو صحیح لغیرہ کے قریب ہے اور حسن (بقیہ اگلا صفحہ پر)

على خلاف القاعده اکراما لنبیه ﷺ کما احیا قتیل بنی اسرائیل لیخبر بقاتله، و کان عیسی علیه السلام یحیی الموتی، وکذلک نبینا ﷺ احیا الله تعالیٰ علی یدیه جماعة من الموتی، و قد صح ان الله تعالیٰ رد علیه ﷺ الشمس بعد مغیبها حتی صلی علی کرم الله وجهه العصر، فکما اکرم بعود الشمس والوقت بعد فواته، فکذلک اکرم بعود الحیاة ووقت الایمان بعد فواته، وما قیل ان قوله تعالیٰ ولا تسأل عن اصحاب الجحیم۔ نزل فیهالم یصح، و خبر مسلم (ابی و ابوک فی النار) کان قبل علمه اه ملخصا۔" (ص ۲۳۱، ج ۴ باب المرتد۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے ابوین کریمین کو زندہ کر کے عزت دی ہے یہاں تک کہ وہ دونوں نبی پاک ﷺ پر ایمان لائے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کی قرطبی اور ابن ناصر الدین نے تصحیح کی ہے، ان دونوں (والدین کریمین) نے وفات کے بعد خلاف قاعدہ، ایمان کے ساتھ نفع حاصل کیا ہے نبی کریم ﷺ کے اکرام کی وجہ سے، جیسا کہ بنی اسرائیل کا قتیل زندہ کیا گیا تا کہ وہ اپنے قاتل کی خبر دے اور جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے اور اسی طرح ہمارے نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پر مردوں کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا ہے اور تحقیق صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے کے بعد نبی پاک ﷺ کے لئے واپس لوٹایا یہاں تک کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کیا، جس طرح سورج اور عصر کے وقت کو اس کے فوت ہونے کے بعد لوٹا کر رسول پاک ﷺ کا اعزاز فرمایا، اسی طرح زندگی اور ایمان کا وقت فوت ہونے کے بعد والدین

(بقیہ صفحہ گزشتہ) لغیرہ طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ ترمذی وغیرہ کی اصطلاح میں صحیح لغیرہ کہلاتی ہے، لیکن علامہ شامی نے حدیث کی تصحیح کی نسبت علامہ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی کی طرف بھی کی ہے، یہ بظاہر صحیح نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے اپنے اشعار کے آخر میں صراحت کی ہے کہ "**وان کان الحدیث به ضعیفا**"۔

کریمین کو دوبارہ زندگی اور ایمان عطا فرما کر رسول کریم ﷺ کا اعزاز فرمایا۔ اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **ولا تسئل عن اصحب الجحیم** کہ یہ ان دونوں (والدین کریمین) کے بارے میں نازل ہوا ہے، یہ درست نہیں (یعنی یہ ان کے بارے میں نازل نہیں ہوا) اور اسی طرح مسلم شریف کی حدیث **ابی و اباک فی النار**، احیائے والدین کریمین سے پہلے کی ہے۔

☆ ''فتاوی عزیزی'' میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں: ''آں حضرت ﷺ کے ابوین شریفین کی نجات ثابت کرنے میں علماء کا تین مسلک ہے۔ ایک مسلک یہ کہ باوجود کفر وشرک کے یہ سزاوار عذاب کے نہیں، صبیان اور مجنونوں کے بارے میں جو حکم ہے وہی ان کے بارے میں بھی حکم ہے اس واسطے کے ابوین شریفین زمانہ فترۃ میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**۔ یعنی ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیجیں۔ اور زمانہ فترۃ کا آں حضرت ﷺ کی بعثت کے قبل ہوا تو بمقتضائے اس آیت کے اس وقت کے لوگ جو زمانہ فترۃ میں فوت ہو گئے سزاوار عذاب کے نہیں اور اس مسلک میں جو منافات ہے وہ اوپر مذکور ہے اور باعتبار اس مسلک کے بھی عبارت فقہ اکبر کی صحیح ہوسکتی ہے اس واسطے کے وہ عبارت صرف یہی ہے **ماتا علی الکفر** اس میں تعذیب کا کچھ ذکر نہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے ابوین شریفین ایمان لانے کے لئے بعد موت کے پھر زندہ کئے گئے اور آں حضرت ﷺ پر ایمان لائے اور یہ مسلک بھی فقہ اکبر کے قول کے منافی نہیں، چناں چہ شمس الدین کردری نے کہ اجلہ علماء حنفیہ ماوراء النہر سے ہیں، اپنی فقہ میں لکھا ہے: **ویجوز لعن من مات علی الکفر الاوالدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ واصحابہ وسلم لثبوت انہ تعالیٰ احیا ھمالہ حتی آمنا بہ انتھی** ۔ یعنی اور جائز ہے لعن کرنا اس پر جو مر گیا ہو کفر پر مگر والدین آں حضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ جائز نہیں اس واسطے کہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوین شریفین کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ (یہ ترجمہ شمس الدین کروری کے قول مذکور کا ہے)۔ اور تیسرا مسلک یہ ہے کہ ابوین شریفین نے خود اپنی عقل سے ملت ابراہیمی سن کر شرک کا قبح (برا ہونا) معلوم کیا اور شرک ترک کیا اور توحید کے معتقد تھے اور بت کی تعظیم نہ کرتے تھے اور سابق (پہلے) سے ایک دوسرے سے سنتے چلے آئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوں گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد اور قدوم میمنت لزوم کے منتظر تھے اور دل سے قصد مصمم (پکا ارادہ) رکھتے تھے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ گر ہوں گے تو ہم لوگ دل و جان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اختیار کریں گے چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا قصہ اس مدعا کے لئے شاہد ہے کہ وہ نور حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر تھا اور آپ کو یہ وصیت پہنچی کہ آپ کے والد اور آپ کے اجداد یکے بعد دیگرے اس نور مبارک کی حفاظت کے لئے وصیت کرتے رہے اور علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں زیادہ تر یہی مسلک اختیار کیا ہے تو اس صورت میں بھی ابوین شریفین کی نجات ثابت ہوتی ہے اور ابوین شریفین کا ایمان بھی ثابت ہوتا ہے اس واسطے کہ اس وقت اسی قدر ایمان اجمالی متحقق ہوسکتا تھا چناں چہ ورقہ بن نوفل کے حق میں بھی اسی قدر ثابت ہے اور فقہ اکبر کی عبارت اس مسلک کے بھی منافی نہیں۔ اس واسطے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدم ایمان تفصیلی اور عدم وقوع ایمان بعد بعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیر کفر کے ساتھ فقہ اکبر میں ہوئی ہے لیکن **حدیث ابی و ابوک فی النار** اور **حدیث لم یوذن لی بالشفاعة فیھا** حق میں مادر شریفہ کے ہے تو یہ تینوں مسلک اس کے خلاف ہیں، تو بہت بہتر ہے کہ ان مسائل میں سکوت اختیار کیا جاوے۔" (ص ۲۹۵ تا ۲۹۷، ج ۱، سرور عزیزی المعروف فتاوی عزیزی، مطبوعہ مجیدی کان پور ۱۳۳۲ھ)

☆ "نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار" مؤلفہ الشیخ مومن بن حسن مومن الشبلنجی

المتوفی تیرھویں صدی ہجری (مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۶۷ھ) کے ص ۳۴ پر ہے: **واحیاء ابویه له حتی آمنا به علی ما قیل**۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کو زندہ کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے جیسا کہ کہا گیا۔ اسی کو جناب نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) نے الشمامۃ العنبر یہ میں لکھا۔

☆ ''اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ وفضائل اہل بیت الطاہرین'' الشیخ محمد بن علی مصری الصبان (م ۱۳۰۶ھ) کے ص ۶۵ پر بھی یہی عبارت درج ہے۔

☆ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں: ''بات وہی ہے جو امام جلیل سیوطی نے فرمائی: **انی لم ادع ان المسئالة اجماعیه بل هی مسئاله ذات خلاف فحکمها کحکم سائر المسائل المختلف فیها غیر انی اخترت اقوال القائلین بالنجاة لانه الانسب لهذا المقام**۔ پھر بے شک میں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ (ایمان ابوین کا) مسئلہ اجتماعیہ ہے بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے تو اس کا حکم بھی انہی (اختلافی) مسائل کا سا ہے لیکن میں نے ان کے قول کو اختیار کیا ہے جو (والدین رسالت مآب کی) نجات کے قائل ہیں اس لئے کہ اس مقام کے یہی مناسب اور شایان ہے''......فرماتے ہیں: ''میں (احمد رضا) کہتا ہوں کہ تحقیق یہ کہ طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے۔ ابتداء ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر تھا کہ ان سے جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم و مستقیم، چارہ کار قبول و تسلیم بالا قل سکوت و تعظیم **والله الهادی الی صراط المستقیم**۔'' (ص ۳۴، شمول الاسلام، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی)......مزید فرماتے ہیں: ''اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے ؎

ومن مذهبی حب الدیار لاهلها ۔۔۔ وللناس فیما یعشقون مذاهب

جسے یہ پسند ہو فبہا و نعمت ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان روکے دل صاف رکھے **ان ذلکم کان یوذی النبی** سے ڈرے۔'' (ص ۲۱ شمول الاسلام)

وہ مزید فرماتے ہیں: ''امام ابن حجر مکی شرح (ہمزیہ افضل القری) میں فرماتے ہیں: **ما احسن قول المتوقفین فی ھذہ المسائلۃ الحذر من ذکر ھما بنقص فان ذلک قد یؤذیہ** ﷺ **لخبر الطبرانی لا توذوا الاحیاء بسبب الاموات** ۔یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلہ میں توقف تھا کہ دیکھ بچ والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم ﷺ کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں ہمارے تمام افعال واقوال پر مطلع ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: **والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم** جولوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عاقل کو چاہئے ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے ع ہش دار کہ رہ بردم تیغ ست قدم را۔ یہ مانا مسئلہ قطعی نہیں اجماعی نہیں پھر ادھر (ایمان ابوین کے انکار میں) کون سا قاطع کون سا اجماع ہے؟ آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے۔'' (ص ۲۲ شمول الاسلام)

مزید فرماتے ہیں: ''ادھر (منکرین میں) کون سی دلیل قاطع پائی؟ حاش للہ ایک حدیث بھی (اس باب میں) صحیح وصریح نہیں، جو صریح ہے، ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے، ہرگز صریح نہیں، جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کردیئے تو اقل درجہ وہی سکوت وحفظ ادب رہا، آئندہ اختیار بدست مختار۔'' (ص ۲۳ شمول الاسلام)

☆ ''**الافاضات السنیئہ الملقب بہ فتاوی مھریہ**'' (مطبوعہ جامعہ غوثیہ گولڑا شریف ۱۳۹۷ھ) کے ص ۱۲ پر علامہ زمان حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گیلانی گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۶ھ) فرماتے ہیں: ''حضرت پیغمبر خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے والدین شریفین کے عدم اسلام کا علماء متقدمین کو تو یقین واثق ہے اور متاخرین

ابن حجر وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے مگر بعض متاخرین محققین اہل فقہ وحدیث نے اسلام ابوین شریفین حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احادیث سے ثابت کیا ہے بلکہ جمیع آباء و امہات حضرت سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام حضرت آدم علیہ السلام تک پایہ ثبوت کو پہنچایا ہے اور اثبات اسلام کے تین طریقے بیان کئے ہیں۔

اول یہ کہ والدین شریفین آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے دوسرا یہ کہ وہ دونوں صاحب زمانہ فترت میں تھے نہ زمانہ نبوت میں یعنی ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے آپ کے والدین شریفین کو زندہ کیا اور وہ اسلام لائے۔ چناں چہ احادیث میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں سوال کیا کہ الٰہی میرے والدین کو زندہ فرما کر مشرف با اسلام کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سوال منظور فرما کر آپ کے والدین کو زندہ فرما کر مشرف با اسلام کیا، اگر چہ بعض احادیث میں اس کے خلاف بھی تصریح معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث کی علماء متقدمین نے تضعیف بھی کی ہے لیکن متاخرین محققین نے حدیث احیاء کی تصحیح وتحسین کئی طرح سے فرمائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث احیاء ان احادیث سے کہ جن کو متقدمین محدثین نے روایت کیا ہے متاخر ہے گویا کہ یہ علم متقدمین سے ایک گونہ پوشیدہ ومستور تھا اور متاخرین پر اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول دیا و **الله يختص برحمته من يشاء من فضله**۔ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ والرضوان نے اس بارے میں کئی رسالے لکھے ہیں اور مخالفین کو بخوبی جواب دیئے ہیں۔ علی ہذا القیاس صاحب مواہب لدنیہ وانوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ نے بھی اس مدعا کا ثبوت پیش کیا ہے۔ علامہ شامی و طحطاوی نے بھی اسلام ابوین شریفین کا مسئلہ بغرض اثبات اسلام آں ہا ذکر فرمایا ہے، چناں چہ انوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ میں مرقوم ہے: **وقد روی ان آمنة امنت به** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **بعد موتها روی الطبرانی بسنده عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی**

ﷺ نزل الحجون كئيبا حزينا فاقام به ماشاء الله تعالی ثم رجع مسرورا قال سألت ربی عزوجل فاحی لی امی فامنت بی ثم ردها کذا روی من حدیث عائشة ایضا احیاء ابویه ﷺ حتی آمنا به اورده السهیلی والخطیب۔ و قال القرطبی فی التذکره ان فضائله ﷺ و خصائصه لم تزل تتوالی و تتتابع الی حین مماته فیکون هذا مما فضله الله به واکرمه قال و لیس احیاء هما و ایمانهما ممتنعا عقلا ولا شرعا فقد ورد فی الکتاب العزیز احیاء قتیل بنی اسرائیل و اخبر بقاتله و کان عیسی علیه السلام یحیی الموتی و کذلک نبینا علیه الصلوة والسلام احی الله علی یدیه جماعة من الموتی و اذا اثبت هذا فما یمتنع ایمانهما بعد احیائهما و یکون ذلک زیادة فی کرامته و فضیلته ﷺ۔ و قال الامام فخر الدین الرازی ان جمیع اباء محمد ﷺ کانوا مسلمین و مما یدل علی ذلک قوله ﷺ لم ازل انقل من اصلاب الطاهرین الی ارحام الطاهرات و قد قال الله تعالیٰ انما المشرکون نجس فوجب ان لا یکون احد من اجداده مشرکا و لقد احسن الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی (المتوفی ۸۴۲ھ) حیث قال (فی مورد الصادی بمولد الهادی)

حبا الله النبی مزید فضل   علی فضل و کان به رؤفا

فاحی امه و کذا اباه   لا یمان به فضلا لطیفا

فسلم فالقد یم بذا قدیر   وان کان الحدیث به ضعیفا (☆)

اور بخاری شریف میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ

(☆) دمشق کے مشہور محدث ابن ناصر الدین دمشقی کے حالات ''شذرات الذہب'' مولفہ عبدالحی بن عماد حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ ''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون'' (مطبوعہ دار الفکر بیروت) کے ص ۶/۱۵۴ میں علامہ ملا کاتب جلبی (م ۱۰۶۷ھ) نے امام دمشقی کی چالیس تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

نے فرمایا کہ میری بعثت خیر قرون بنی آدم میں قرنا بعد قرن ہوئی ہے اور خیریت بعثت نبوی باوجود تلوث کفر آباء واجداد غیر متصور و نیز حدیث مسلم جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے خلعت اصطفا حضرت پیغمبر خدا ﷺ کو پہنائی گئی۔ یہ برگزیدگی و اصطفائی بھی اس کی مقتضی ہے کہ سلسلہ آباء واجداد نبوی میں کم از کم وجود توحید تو ضرور ہی پایا جائے ورنہ باوجود کفر و شرک محض خصائل حمیدہ کسی گنتی و شمار میں نہیں۔ **كما فى المشكوة عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ بعثت من خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا حتى كنت من القرن الذى كنت منه رواه البخارى۔ وعن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله اصطفى كنانة من ولد اسمعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى من قريش بنى هاشم و اصطفانى من بنى هاشم رواه مسلم۔** اور علامہ ابن عابدین شامی و علامہ طحطاوی رحمتہ اللہ علیہما نے بھی ایمان والدین شریفین پیغمبر خدا ﷺ کو اچھی طرح ثابت کیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور حدیثیں بھی اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں ان کی توجیہ بخوبی فرمائی ہے چناں چہ شامی میں مرقوم ہے: **ان ترى ان نبينا ﷺ قد اكرمه الله تعالىٰ بحياة ابويه له حتى آمنا به كما فى حديث صححه القرطبى و ابن ناصر الدين حافظ الشام و غيرهما فانتفعا بالايمان بعد الموت على خلاف العادة اكراما لنبيه ﷺ كما احى قتيل بنى اسرائيل ليخبر بقاتله و كان عيسى عليه السلام يحى الموتى و كذالک نبينا عليه الصلوٰة والسلام احى الله تعالىٰ على يديه جماعة من الموتى و قد صح ان الله تعالى رد عليه الشمس بعد غيبتها حتى صلى على كرم الله وجهه العصر فكما اكرم بعود الشمس بعد فواته فكذالک**

اکرم بعود الحیاۃ و وقت الایمان بعد فواتھما– ولایقال ان فیہ اسأۃ ادب لاقتضائہ کفر الابوین الشریفین مع ان اللہ تعالی احیاھما لہ وامنا بہ کما ورد فی حدیث ضعیف لانا نقول ان الحدیث اعم بدلیل روایۃ الطبرانی و ابی نعیم و ابن عساکر خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم الی ان ولدنی ابی وامی لم یصبنی من نکاح الجاھلیۃ شئی و احیاء الابوین بعد مما تھما لاینا فی کون النکاح کان فی زمن الکفر ولاینا فی ایضا ما قال لہ الامام فی الفقہ الاکبر من ان والدیہ ﷺ ماتا علی الکفر ولا ما فی صحیح المسلم استاذنت ربی ان استغفر لا می فلم یأذن لی وما فیہ ایضا ان رجلا قال یا رسول اللہ ﷺ این ابی؟ قال فی النار قلما قفاد عاہ فقال ان ابی و اباک فی النار لامکان ان یکون الاحیاء بعد ذلک لانہ کان فی حجۃ الوداع فکون الایمان عند المعاینۃ غیر نافع فکیف بعد الممات فذاک فی غیر الخصوصیۃ التی اکرم اللہ بھانبیہ ﷺ واما الاستدلال علی نجاتھما بانھما ماتا فی زمن الفترۃ فھو مبنی علی اصول الاشاعرۃ ان من مات ولم تبلغہ الدعوۃ یموت ناجیا اما الماتر یدیۃ فان مات قبل مضئ مدۃ یمکنہ فیھا التأمل ولم یعتقدہ ایمانا ولا کفرا فلا عقاب علیہ بخلاف ما اذا اعتقد کفرا اومات بعد المدۃ غیر معتقد شیئانعم البخاریون من الماتریدیۃ وافقوا لا شاعرۃ وحملوا قول الامام لا عذر لا حد فی الجھل یخالفہ علی ما بعد البعثۃ واختارہ المحقق ابن الھمام فی التحریر لکن ھذا فی غیر من مات معتقد الکفر فقد صرح النووی الفخر الرازی بان من مات قبل البعثۃ مشرکا فھو فی النار و علیہ حمل بعض المالکیۃ ماصح من الاحادیث فی تعذیب اھل الفترۃ بخلاف من لم یشرک منھم ولم یوجد

بل بقی عمرہ فی غفلتہ من ھذا کلہ ففیھم الخلاف و بخلاف من اھتدا منھم بعقلہ کقس بن ساعدة و زید بن عمرو بن نفیل فلا یخالف فی نجاتھم و علی ھذا فالظن فی کرم اللہ تعالی ان یکون ابواہ ﷺ من ھذین القسمین بل قیل ان اباء ہ ﷺ کلھم موحدون لقولہ تعالیٰ و تقلبک فی الساجدین۔

اورعلامہ طحطاوی نے بھی اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے اس کو ترک کرتا ہوں، ہاں اس میں ایک حکایت اس کے متعلق نقل کی ہے اس کو تحریر کردیتا ہوں۔

وحکی ان بعض الفضلاء مکث متفکرا لیلة فی ابویہ ﷺ و اختلاف العلماء فی حدیث احیائھما و ایمانھما بہ فمن مضعف ومن مصحح وھل یمکن الجمع بین الاقاویل ام لافاستھواہ الفکرة حتی مال علی السراج فاحرقہ فلما کانت صبیحة تلک اللیلة اتاہ رجل من الجند یسئالہ ان یضیفہ فتوجہ الی بیتہ فمر فی اثناء الطریق علی رجل حضری قد جلس بباب خزانة تحت حانوت بھا موازینہ و باقی اٰلات البیع فقام ھذا الرجل حتی اخذ بعنان دابة الشیخ وقال لہ شعر؎

امنت ان ابا النبی وامہ	**احیا ھما الحی القدیر الباری**
حتی لقد شھدا لہ برسالة	**صدق فتلک کرامة المختار**
وبہ الحدیث ومن یقول بضعفہ	**فھو الضعیف عن الحقیقة عاری**

ثم قال خذھا الیک ایھا الشیخ ولا تسھر ولا تتعب نفسک متفکرا حتی یحرقک السراج ولکن امض الی الذی انت قاصدہ لتاکل منہ لقمة حراما فبھت الشیخ لذلک ثم طلب الرجل فلم یجدہ فاستخبر

جیرانه من اهل السوق فلم یعرف منهم احدا و اخبرابانه لا عهدلهم برجل یجلس بهذا المحل اصلاثم ان الشیخ رجع الی منزله ولم یمض الی دارالجندی لما سمعه من مقالة هذا الاستاذ ۔ الحاصل ایمان والدین شریفین حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متاخرین علمائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ **الملتجی الی اللّٰہ، عبدہ المذنب مہر علی شاہ۔"**

(حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی اس تحریر میں جس قدر عربی عبارات ہیں ان کا اردو ترجمہ تکرار کی وجہ سے درج نہیں کیا جا رہا لیکن الدر المختار کے حاشیہ الطحطاوی از علامہ سید احمد طحطاوی حنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ (مطبوعہ بیروت) کے ص ۸۰ / ۲ پر درج اس ایمان افروز حکایت کا (جس کا ذکر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے کیا ہے)، ترجمہ ملاحظہ ہو):

کچھ بزرگوں نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ

ایک عالم رات بھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہونے اور ان کے ایمان کے مسئلہ میں متفکر رہے اور علماء کے اس اختلاف کو سوچتے رہے کہ کوئی اس حدیث کو صحیح کہتا ہے اور کوئی ضعیف، تو ان صحیح یا ضعیف کہنے والوں کے اقوال میں تطبیق کیوں کر ہو؟ اسی فکر میں گم، جلتے ہوئے چراغ پر جھک گئے تو بدن جل گیا۔ صبح ان کے پاس ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ اس کے گھر کی طرف چلے تو راہ میں ایک سبزی فروش ملے جو اپنی دکان کے آگے باٹ اور ترازو لیے بیٹھے تھے۔ وہ (ترہ فروش) اٹھے اور انہوں نے اس عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور یہ اشعار پڑھے ؎

یعنی میں ایمان لایا کہ زندہ قادر مطلق، خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) نے زندہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ کو یہاں تک کہ بلاشبہ ان دونوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی دی۔ اے شیخ، تصدیق کر کہ یہ (واقعہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز کے واسطے ہوا اور اس بارے میں حدیث شریف وارد ہوئی اور جو اس حدیث کو ضعیف

بتائے وہ شخص آپ خود، ضعیف ہے یعنی اس کے علم وفہم میں ضعف ہے، اور وہ علم حقیقت سے خالی ہے۔

یہ اشعار سنا کر اس (سبزی فروش) نے اس عالم سے فرمایا، اے شیخ! یہ بات قبول کرو اور رات بھر نہ جاگو، نہ ہی اپنی جان کو فکر میں ڈالو کہ چراغ تمہیں جلا دے۔ ہاں سنو! جہاں جا رہے ہو وہاں حرام لقمے کھاؤ گے۔ وہ عالم یہ باتیں سن کر بے خود ہو کر رہ گئے، (اپنی بے خودی سے چونک کر) اس شخص (ترہ فروش) کو تلاش کیا تو ان کا پتا نہ پایا۔ بازار میں ان کے پڑوسی دکان داروں سے پوچھا، مگر ان میں سے کوئی بھی اس (سبزی فروش) کو پہچانتا نہیں تھا، بازاروں والوں نے کہا ایسا کوئی شخص یہاں بیٹھتا ہی نہیں۔ (وہ عالم تھے سمجھ گئے کہ قدرت نے میری رہ نمائی کے لیے اس بزرگ کو ظاہر کیا تھا) پھر وہ عالم اس بزرگ ہادئ غیب، عالم ربانی کی اس ہدایت کو سن کر اپنے مکان کو واپس آ گئے اور لشکری کے یہاں تشریف نہیں لے گئے۔

☆ قارئین کرام! امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کا سن وفات ۶۰۶ ہجری ہے اور انہیں چھٹی صدی کا مجدد بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے قریب ترین دور کے علامہ قرطبی (المتوفی ۶۷۱ھ) کی تحریر بھی آپ نے پڑھی۔ علاوہ ازیں حضرت امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا سن وفات ۵۰۵ ہجری ہے، ان کی تحریر سے اقتباس بھی علامہ نبھانی کی تحریر میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کے مستقل رسائل سے قبل اگرچہ کچھ علماء کا اختلاف رہا مگر اس کے باوجود کسی نے بے ادبی اور گستاخی کے لہجے میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کا ذکر نہیں کیا اور علامہ سیوطی کے بعد یہ اختلاف بھی ایسا نہیں رہا کیوں کہ امام سیوطی نے ایمان ابوین کے منکرین کے اعتراضات کا وافی وشافی جواب تحریر فرما کر اہل علم وتحقیق کی تسلی کا سامان کیا اور حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق متاخرین علماء اسلام پر

اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور یہ مسئلہ ان پر کھلا اور انہوں نے اس باب میں ایمان وعقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عمدہ دلائل سے ایمان ابوین شریفین کو ثابت کیا۔

☆ اس بارے میں حضرت امام ملا علی قاری حنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) کا نام متنازع ہے اور کچھ لوگ انہیں مطعون کرتے ہیں کہ انہوں نے نہایت نامناسب لہجے میں نہ صرف ایمان ابوین کا انکار کیا ہے بلکہ انہیں (معاذ اللہ) غیر ناجی ثابت کیا ہے اور یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ امام ملا علی قاری حنفی ہی نہیں خود امام اعظم ابوحنیفہ سیدنا نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۵۰ھ) نے بھی فقہ اکبر میں ایمان ابوین کا انکار کیا ہے، ان دونوں باتوں کا مختصر اتحقیقی جائزہ پیش کرتا ہوں، پہلے فقہ اکبر کے بارے میں ملاحظہ ہو:۔

''الفقہ الاکبر'' ایک مختصر رسالہ ہے جس کی نسبت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سیدنا نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی گئی ہے۔ کچھ علمائے اسلام یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے چاروں اماموں (ائمہ مجتہدین) کی خود اپنی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے اور کچھ علماء اسلام نے ان سے منسوب تصانیف کو انہی کی تصانیف مانا ہے، لیکن ان کا صحیح اور معتمد نسخہ کون سا ہے؟ یا ہر نسخے کے تمام مندرجات ہر طرح صحیح ہیں؟ اس بارے میں کوئی دعوی یا علماء اسلام کا اتفاق نہیں ہے۔

مصری عالم اور ناقد جناب شیخ محمد ابوزہرہ حنفی کی عربی کتاب ''ابوحنیفہ، حیاتہ وعصرہ'' کا اردو ترجمہ ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ'' کے نام سے (ملک سنز تاجران کتب، کارخانہ بازار) فیصل آباد میں شائع ہوا، ترجمہ کرنے والے جناب غلام احمد حریری ہیں۔ یہ ترجمہ انہوں نے اگست ۱۹۸۰ء میں کیا۔ اس کتاب میں ہے کہ شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں: ''بعض وہ کتابیں جو آپ (امام ابوحنیفہ) کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اولین کتاب الفقہ الاکبر ہے۔'' (ص ۳۰۰)۔ مزید فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ علماء کے نزدیک فقہ اکبر کی نسبت امام ابوحنیفہ کی جانب محل نظر و تامل ہے۔

اس پر علماء کبھی متفق نہ ہو سکے اور نہ کسی نے اتفاق کا آج تک دعویٰ کیا، یہاں تک کہ آپ کے سرگرم حامی اور آپ کے آثار و کتب کی زبردست آرزو رکھنے والے بھی اس کا کوئی واضح ثبوت پیش نہ کر سکے۔'' (ص ۳۰۱)...... ''پس فقہ اکبر کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف مشکوک اور بعض علماء کے نزدیک نادرست ہے۔'' (ص ۳۰۲)......ص ۳۰۲ پر مزید لکھتے ہیں: ''اب فقہ اکبر کے متن پر ایک غائر نگاہ ڈال کر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اپنے مندرجات و محتویات کے اعتبار سے کیا پوری کتاب کی نسبت آپ (امام ابوحنیفہ) کی طرف درست ہے یا اس میں کچھ ایسا مواد بھی پایا جاتا ہے جس کا انتساب آپ کی جانب محل نظر و تامل ہے؟...... ص ۳۰۳ پر ہے: ''فقہ اکبر میں بعض ایسے مسائل بھی دیکھنے میں آئے جن کا رواج نہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں تھا اور نہ آپ سے قبل۔''......مزید لکھتے ہیں: ''اس مشہور فقہ اکبر کی نسبت بھی آپ کی طرف محل نظر و تامل ہے اور قطعی طور پر ثابت نہیں کہ یہ آپ کی تصنیف ہے۔'' (ص ۳۳۷)

☆ جناب شبلی نعمانی اپنی تالیف ''سیرۃ النعمان'' میں لکھتے ہیں: ''امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم ۔مسند۔'' (ص ۱۱۱) ...... ''امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔'' (ص ۱۱۳)...... ''فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی، عبد العلی بحر العلوم و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اس پر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا، وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے، ایک جگہ اس میں جوہر وعرض کا لفظ آیا ہے، حالاں کہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت تک (عربی) زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں لیکن یہ

زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے۔ کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں ان کا رواج ہو جائے۔ فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرے میں اس وقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جزو بن گئے اور عام بول چال میں بھی ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔ یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی، اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا، قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہاں تک ہم کو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جن میں سے اکثر بجائے خود استاد تھے اور واسطہ در واسطہ ان کے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اس کا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اس کے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف، شرح مقاصد، شرح مواقف، ملل ونحل وغیرہ تصنیف ہوئیں ان میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔ اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اس کے بعد ہوئیں، اس کے علاوہ ابومطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں، حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں ان کو کلیتہً تسلیم نہیں کرتا، تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابومطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو، محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہوسکتی۔ میرا خیال ہے کہ ابومطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلم بند کئے تھے، رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہوگیا، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے ''عبر فی احبار من غبر'' میں ابومطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا

ہے کہ ''صاحب الفقہ الاکبر'' جس کے متبادر معنی یہی ہیں کہ خود ابو مطیع بلخی اس کے مصنف ہیں۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں، جامع صغیر، جو امام محمد کی تالیف ہے اس کی موجودہ ترتیب امام ابو طاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے، صرف ترتیب بدل دی گئی ہے، برخلاف اس کے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ مابعد کا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھ دئے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں ان کے سامنے ہیں، وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں۔ بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔'' (ص ۱۱۵ تا ۱۱۷ حصہ دوم، سیرۃ النعمان، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۲ء)

☆ علامہ زاہد الکوثری نے بھی اپنی ایک تحریر میں یہی فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ کی اپنی ذاتی کوئی تصنیف نہیں ہے۔

☆ حضرت علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی نے اپنی کتاب ''سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ'' میں فقہ اکبر کا کوئی ذکر نہیں کیا اور مصری عالم شیخ محمد ابو محمد زہرہ ہی کی تحقیق کی تائید کی ہے کہ امام اعظم کی اپنی ذاتی کوئی تصنیف نہیں ہے۔'' (ص ۱۵۰، مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی ۱۴۱۱ھ)

☆ دانش گاہ پنجاب، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' کی جلد اول (مطبوعہ ۱۴۰۰ھ) کے ص ۷۸۵ کالم ۲ میں ہے: ''امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔ الفہرست میں ابن الندیم نے آپ کی چار کتابوں کا نام لکھا ہے: الفقہ الاکبر، عثمان البستی

(البتی) کے نام خط، العالم والمتعلم، الرد علی القدریہ، مسند، جوخوارزمی (م ۶۶۵ ھ) نے مرتب کی، اس کا ذکر الفہرست میں نہیں ہے۔ حقیقت میں خود امام ابوحنیفہ کی واحد مستند تحریر جو ہم تک پہنچی ہے، ان کا وہ خط ہے جو انہوں نے عثمان البتی کو لکھا تھا اور جس میں انہوں نے شائستہ طریقے سے اپنے نظریات کی مدافعت کی ہے (یہ خط العالم والمتعلم اور الفقہ الابسط کے ساتھ قاہرہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں طبع ہو چکا ہے)۔ ایک اور کتاب جو ابوحنیفہ سے منسوب کی گئی ہے الفقہ الاکبر ہے۔ Wensinck نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے مراد صرف الفقہ الاکبر کا حصہ اول ہے جس کا اصل متن فقط ایک مبسوط شرح میں مندرج ہے، جسے غلطی سے الماتریدی سے منسوب کیا جاتا ہے (یہ حیدر آباد میں ۱۳۲۱ھ میں مجموعہ شروح الفقہ الاکبر کے شمارہ اول کے طور پر چھپی ہے) اصل متن میں دس ارکان ایمان بیان کئے گئے ہیں، جن میں خارجیوں، قدریوں، شیعیوں اور جہمیوں کے مقابلے میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے، مگر مرجئہ اور معتزلہ کے خلاف مسائل مذکور نہیں ہیں۔ الفقہ الاکبر کے متعلق شروح لکھی گئیں، جن میں سے ملا علی قاری (م ۱۰۰۱ھ) کی شرح زیادہ متداول ہے۔ (مصر ۱۳۲۳ھ) ایک مقالے کے سواء الفقہ، الاکبر، حصہ اول کے جملہ مقالات الفقہ الابسط میں بھی درج ہیں، جس میں امام ابوحنیفہ کے وہ بیانات قلم بند ہیں جو انہوں نے دینی مسائل کے متعلق اپنے ایک شاگرد ابو مطیع البلخی (م ۱۸۳ھ/ ۷۹۹ء) کے سوالات کے جواب میں دئے تھے۔ لہٰذا الفقہ الاکبر، حصہ اول، کے مضامین امام ابو حنیفہ کی مسلمہ آراء پر مشتمل ہیں، اگرچہ اس کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ یہ مختصر متن واقعی انہوں نے لکھا تھا، لیکن نام نہاد الفقہ الاکبر ثانی اور وصیۃ ابوحنیفہ حضرت امام کی اپنی تصنیف نہیں ہیں۔ بعض دیگر مختصر متون کی عبارتیں بھی امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں لیکن ابھی تک ان کے مستند ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تحقیق نہیں ہو سکی، وصیۃ، جس میں انہوں نے اپنے شاگرد یوسف بن خالد السمتی البصری کو مخاطب کیا ہے، ایرانیوں کے

درباری اخلاق کی ترجمانی کرتی ہے، لہٰذا یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فقہ اسلامی کے کسی ماہر و متخصص کی تصنیف ہے۔''

☆ فیض الباری علی صحیح البخاری، ص ۵۹ / ۱، مطبوعہ مطبعہ حجازی، قاہرہ، ۱۳۵۷ھ میں جناب انور شاہ کشمیری نے بھی یہی کہا ہے کہ فقہ اکبر امام ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہے۔

☆ طوالت کے خوف سے اتنے اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے قارئین کرام سے عرض گزار ہوں کہ فقہ اکبر کے جس قدر نسخے لائبریریوں میں موجود ہیں ان سب کے متن میں کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہے۔ اس کتاب (فقہ اکبر) کے بارے میں یہ تفصیل اس لئے لکھنی ضروری ہوئی کہ اس کے حوالے سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ ایمان ابوین کے منکر تھے، چناں چہ کہا جاتا ہے کہ فقہ اکبر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں یہ الفاظ ہیں ''ماتا علی الکفر'' (معاذ اللہ)۔ اکابر علمائے کرام کہتے ہیں اصل الفاظ یہ تھے ''ما ماتا علی الکفر۔'' مگر کاتب نے دو مرتبہ لفظ ''ما'' میں سے ایک مرتبہ ''ما'' نہیں لکھا، اس سے یہ بھول ہوئی اور وجہ نزاع ہوگئی۔ کچھ اکابر علمائے اسلام نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ فقہ اکبر کے اصل نسخوں میں یہ عبارت ہی نہیں ہے۔ چناں چہ ان علمائے اسلام نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) فقہ اکبر کے متعلق کوئی قطعی یقینی سند ایسی نہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ یہ واقعی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔

(۲) اگر فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مان بھی لیا جائے تو کسی مستند و صحیح نسخے میں یہ عبارت نہیں ہے۔

(۳) یہ عبارت الحاقی ہے، یعنی کسی اور نے بعد میں متن میں شامل کر دی ہے۔

(۴) شرح فقہ اکبر لابی منصور ماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن

(۱۳۶۵ھ) جس کے کل صفحات ۲۷ ہیں، اس کے خاتمہ کے الفاظ سے حقیقت واضح ہوتی ہے۔ (واضح رہے کہ اشاعرہ (امام ابوالحسن اشعری کے پیروان کار) کے مقابلے میں حنفی حضرات خود کو امام ابومنصور ماتریدی کی طرف نسبت کر کے "ماتریدی" کہلاتے ہیں اور اس مسئلہ (ایمان ابوین) میں مخالفت کرنے والے عام طور پر سب سے پہلے علامہ ملا علی قاری ہروی کا نام لیتے ہیں، لیکن ملا علی قاری نے فقہ اکبر اور شرح شفاء میں جس رسالے کا ذکر کیا ہے وہ مارکٹ میں نہیں دیکھا گیا، نہ ہی اس کے دلائل کسی نے ذکر کیے ہیں، جہاں کہیں ملا علی قاری نے یہ مسئلہ لکھا ہے، اجمالی طور پر لکھا ہے بلکہ شرح شفا میں ان کی تحریر واضح کرتی ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے رسالہ وتحریر سے توبہ کر کے رجوع کر لیا تھا۔

☆ عالم حجاز سید محمد علوی مالکی اپنی کتاب "ذخائر محمدیہ" میں فرماتے ہیں:

"یہاں ہم امام اعظم کی طرف حضور کے والدین کے بارے میں جو کچھ منسوب ہے (کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے کفر کے قائل تھے) اس کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان (ملا علی قاری) کا اس قول سے رجوع ثابت ہے جیسے شیخ مصطفیٰ الحمامی نے "النهضة الاصلاحية" میں لکھا ہے۔ ملا علی قاری کی طرف ایک کتابچہ منسوب کیا جاتا ہے جس کا نام "**ادله معتقد ابی حنیفه الامام فی ابوی الرسول علیه السلام**" ہے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کی گئی ہے جس سے بچنا لازم تھا کیوں کہ یہ کلام بارگاہ مصطفوی میں تکلیف کا باعث بنتا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اذیت دینا عظیم گناہ ہے۔

محدث ابن ابی الدنیا اور ابن عسا کر نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ابولہب کی بیٹی درہ (یا سبیعہ) ایک آدمی کے پاس سے گزری، اس آدمی نے ان کو دیکھ کر کہا، یہ لڑکی اللہ کے دشمن ابولہب کی بیٹی ہے۔ بس حضرت درہ رضی اللہ عنہا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے شخص بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کا ذکر رشتہ داری اور ان کے شرف نسب کے

لحاظ سے کیا ہے جب کہ تیرے باپ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت کی وجہ سے نہیں کیا''
پھر حضرت درہ نے حضور علیہ السلام سے اس واقعہ کی شکایت کی، آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا: **لایوذین مسلم بکافر** ۔کسی مسلم کو کافر کی وجہ سے (طعنہ دے کر) تکلیف نہ دو۔اس نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں کا اس طرح ذکر نہ کرو جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور انہیں دکھ اور الم کا سامنا کرنا پڑے۔مسلمان کی ہمیشہ عزت کرنی چاہئے، یہاں تک کہ اگر کسی مسلمان کے قریبی رشتہ دار کافر ہوں تو ان کے حوالے سے اس سے ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہئے جس سے اس مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اس کے غصے کا باعث بنے۔

جب عام مسلمانوں کا یہ حال ہے تو سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں گفتگو کرنے میں تو بدرجہ اولیٰ یہ رعایت کرنی چاہئے کہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے جو ناراضی کا سبب بنے۔ اسلامی تقاضا اور ادب یہ ہے کہ آپ کے خاندان کے وہ افراد جو حالت کفر پر فوت ہوئے، ان کا بھی اس طرح ذکر نہ کیا جائے جو سرکار کی بارگاہ کی اذیت کا سبب ہو،تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین کے بارے میں یہ کیسے روا ہوسکتا ہے؟............

اب ہم مذکورہ رسالے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ امام اعظم کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان پر بہت بڑی اور واضح تہمت ہے اور پھر یہ اس سے بھی بڑھ کر تہمت ہے کہ رسالے کا نام ''**ادلة معتقد ابی حنیفه الامام فی ابوی الرسول علیه السلام**'' ہے۔(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے اعتقادی دلائل)۔اگر کوئی قاری یہ اعتراض کرے کہ ملاعلی قاری نے اس رسالے کے شروع میں لکھا کہ امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں کہا ہے: **والدا رسول الله ماتا علی الکفر**۔جب ان کی کتاب میں موجود ہے تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اس قول کی امام اعظم کی طرف نسبت کرنا تہمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ اکبر میں **ماتا**

علی الکفر کے الفاظ نہیں بلکہ اس میں عبارت یوں ہے: **والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ و ابو طالب مات کافرا۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین فطرت پر فوت ہوئے اور ابو طالب کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

میں (سید محمد علوی مالکی) نے یہ عبارت خود اس قدیم نسخے میں دیکھی ہے جو مدینہ منورہ کی شیخ الاسلام لائبریری میں موجود ہے۔ بعض اہل علم نے مجھے بتایا کہ یہ نسخہ عہد عباسی کا تحریر کردہ ہے۔ لائبریری میں یہ نسخہ جس مجموعہ کتب میں محفوظ ہے، اس کا نمبر ۲۳۰ ہے، جو شخص فقہ اکبر کے اس نسخہ کو دیکھنا چاہے وہ اس لائبریری سے رجوع کرے، یقیناً وہ اس نسخے میں وہی الفاظ پائے گا جو ہم نے یہاں نقل کئے ہیں اور مجھے (یہ نسخہ) دیکھے ہوئے کوئی زیادہ دیر نہیں ہوئی، یہ موسم حج ۱۳۵۴ھ کی بات ہے اور آج وقت تحریر ۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ ہے، یعنی پانچ ماہ اور کچھ دن ہوئے ہیں کیوں کہ میں ۱۳۵۴ھ ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ منورہ میں تھا، جو کوئی بھی تامل سے کام لے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ ملا علی قاری کے نسخے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ اہم خرابیاں ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ اس قدیم نسخے کی مخالفت کرتا ہے جس کا ذکر ہو چکا۔ (۲) دوسری یہ کہ اس میں تدلیس (☆) ہے کیوں کہ جب کوئی شخص ملا علی قاری کی منقولہ (نقل کی ہوئی) عبارت کے بعد یہ جملہ پڑھتا ہے: **و ابو طالب مات کافرا۔** تو از خود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور ابو طالب تمام کفر پر فوت ہوئے تو فقہ اکبر کی عبارت یوں ہونی چاہئے تھی: **و والدا رسول اللہ و ابو طالب ماتو کفارا۔** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا کفر الگ اور ابو طالب کے کفر کو الگ ذکر نہ کیا جاتا۔

رہا معاملہ ہمارے نسخے کا تو یہ بہت ہی واضح ہے۔ ابو طالب کے کفر کے افراد میں

☆ تدلیس کا لفظ محدثین کی اصطلاح ہے اس کا معنی، حدیث کے کسی عیب کو چھپانا، بتائے گئے ہیں وہ عیب یا تو متن سے یا راویوں یا روایت کے سلسلے یا ماخذ سے یعنی اس شیخ سے متعلق ہوتا ہے جس سے روایت کی گئی ہو۔ تدلیس فی الاسناد کی عام طور پر سات صورتیں بتائی جاتی ہیں جن کی تفصیل کتابوں میں درج ہے۔

کیوں کہ یہاں حکم دو ہی تھے اس لئے پہلے اس میں حضور علیہ الصلو ۃ والسلام کے والدین کے ایمان کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابو طالب کے کفر پر تصریح، ممکن ہے قاری کے ذہن میں یہ بات آئے کہ ملا علی قاری نے جو کفر کا لفظ نقل کیا ہے وہ اس لفظ فطرۃ سے محرف ہو کر بنا ہو، جو اس مذکورہ نسخے میں موجود ہے کیوں کہ ان دونوں الفاظ کفر اور فطرۃ کے درمیان واضح قرب ہے۔ کیا یہ تحریف مقصود ہو سکتی ہے کہ ابو طالب کے حکم کو حذف کر دیں اور کہیں: **ووالدا رسول الله ماتا علی الفطرة و ابو طالب ذالک**۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہم نہیں جانتے کہ یہ حذف مؤلف سے ہوا یا ناشر سے؟ اور یہ رسالہ اصلا باطل ہے کیوں کہ جو کچھ اس میں لکھا تھا اس سے رجوع کے بعد مصنف نے شرح شفا میں لکھا ہے۔ پہلا مقام ص ۶۰۱ پر ہے جب کہ دوسرا مقام ص ۶۴۸ پر ہے اور یہ شرح شفا کا نسخہ ۱۳۱۶ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا............

شرح شفا میں دوسرے مقام پر یہ جملے ہیں: ''جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے والدین کو زندہ کیا تھا، جمہور علماء ثقہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے جب کہ امام سیوطی نے اپنے تین رسائل میں اس کی تصریح کی ہے۔''

پس خود مؤلف رسالہ ملا علی قاری نے حق وصواب (سچائی اور بہتری و بھلائی) کی طرف رجوع کر کے اپنے رسالہ کا رد کر دیا۔ یہی شان تھی ہمارے سابقہ اکابر علماء کی کہ وہ جب کبھی کسی غلطی کے مرتکب ہوتے تو حق کی طرف رجوع کرنے کے لئے انتظار نہیں کرتے تھے، اسی طرح جب کبھی ان سے کوئی نافرمانی ہوتی تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرتے تھے، جب بھی ان میں کوئی نقص رونما ہوتا تو کمال کی طرف بڑھتے، جب کبھی وہ اپنے مقام سے ذرا نیچے کی طرف گرتے تو فوراً چوٹی اور رفعت (بلندی و اونچائی) کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے۔''

(ذخائر محمدیہ، ص ۵۴ تا ۶۰، اردو ترجمہ از مفتی محمد خاں قادری، مطبوعہ عالمی دعوت اسلامیہ،

غوث اعظم روڈ، لاہور۔ ۱۹۹۶ء)

☆ حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ بیروت کے ص ۸۰ / ۲ اور مرام الکلام فی عقائد الاسلام مصنفہ علامہ عبد العزیز پر ہاروی، ص ۶۲ مطبوعہ ملتان میں ہے: ”**ثم اعلم انه ینسب الی الامام الاعظم رساله فی الکلام تسمی الفقه الاکبر ولها نسخ مختلفة جدا ووقع فی بعضها ان والدی رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ماتا علی الکفر ولاشک ان هذا افتراء علیه فحاشاه ان یتخذه عقیدة**۔“ پھر جان لو کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی طرف علم کلام میں ایک رسالے کی نسبت کی گئی ہے جس کا نام فقہ اکبر ہے، اس کے نسخے مختلف ہیں جن میں سے بعض میں یہ عبارت ہے کہ (والدین کریمین) کی وفات کفر پر ہوئی (معاذ اللہ) اور اس میں شک نہیں کہ یہ امام اعظم پر افتراء ہے یقیناً امام اعظم اس سے محفوظ ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہو۔

☆ ”مہر انور“ ترجمہ فقہ اکبر، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۰۶ھ میں بھی ”**مات علی الکفر**“ کے الفاظ نہیں ہیں۔

فقہ اکبر کے متن میں ابوین کریمین کے بارے میں معترضہ جملے کے علاوہ بھی اور جملے ہیں جنہیں علمائے اسلام نے قبول نہیں کیا، چناں چہ **استوی علی العرش** کے حوالے سے فقہ اکبر کے متن پر علمائے اسلام نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہی ثابت کرتا ہے کہ فقہ اکبر کا متن قطعی ویقینی طور پر مستند ومعتبر نہیں ہے، علاوہ ازیں ”**مات علی الایمان**“ کے الفاظ اسی فقہ اکبر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ہیں جو علمائے اسلام میں مباحث کا موضوع بنے ہیں، یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اکبر کے بارے میں اتنے اختلاف اور احتمال ہیں جن کے ہوتے ہوئے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا درست نہیں کہ وہ ایمان ابوین کے منکر تھے۔

☆ فقہ اکبر کے بعد اس کی وہ شرح جو امام ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی اور ان کا وہ

رسالہ جس میں انہوں نے ایمان ابوین کا انکار کرتے ہوئے نامناسب الفاظ میں والدین رسالت مآب کے (معاذ اللہ) غیر ناجی ہونے کا بیان کیا ہے، اس کے بارے میں کچھ ذکر قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں، مزید یہ عرض کروں کہ امام ملا علی قاری حنفی ماتریدی قادری محدث ہیں اور ان کی علم حدیث کی خدمات بالخصوص ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' کی سمتوں میں شہرت ہے۔ ان کا ذکر علامہ ابن عابدین یوں کرتے ہیں: ''**خاتمة القراء والفقهاء و المحدثين و نخبة المحققين والمدققين سيدى ملا على القارى عليه رحمة ربه البارى**''۔ (ص ۱۳۰، مجموعہ رسائل ابن عابدین، مطبوعہ استنبول ۱۳۲۵ھ)۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر وناظر اور نوری بشر ہونے کے قائل ہیں۔ اور مسئلہ زیارت قبر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں علامہ سبکی کے حامی ومؤید ہیں اور یہاں تک انہوں نے لکھا ہے کہ منکرِ زیارت کے لئے خطرہ ہے کہ وہ ضروریات دین کا منکر نہ ہو جائے۔ امام ملا علی قاری نے سیدنا غوث پاک شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مستقل کتاب ''نزہتہ الخاطر الفاتر''، لکھی ہے، علاوہ ازیں جہاں کہیں بھی مستقل تصانیف میں سیدنا غوث پاک کا ذکر کرتے ہیں، ادب واحترام سے کرتے ہیں، تاہم ''**لكل جواد كبوة**'' (ہر مشاق گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے)، ملا علی قاری بھی انسان تھے، معصوم عن الخطا نہیں تھے۔ ایمان ابوین کے مسئلے میں ان سے خطا ہوئی، لیکن یہ عنادی خطا نہیں تھی بلکہ اجتہادی خطا تھی، متقدمین کے اقوال دیکھ کر وہ لکھ گئے جو لکھ گئے، مگر بعد ازاں سخت پشیمان ہوئے اور اپنے پہلے موقف سے توبہ کر کے رجوع کیا اور ان کے استاد علامہ ابن حجر نے انہیں فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم چھت سے گرے ہو اور تمہاری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے چناں چہ خواب کے مطابق ہی ظاہر میں ہوا (**كذا فى حواشى نبراس**۔ جیسا کہ نبراس کے حاشیہ میں مذکور ہے)۔ الحاصل ملا علی قاری نے اپنی اس شدید غلطی سے توبہ کر لی، جس کا ثبوت شرح شفا کی یہ عبارت ہے: ''**واما ما ذكروا عن احيائه عليه الصلوة والسلام ابويه فالا صح**

انه وقع علی ما علیه الجمهور الثقات کما قال السیوطی فی رسائله الثلاث المؤلفات۔ ’’(شرح الشفاء للفاضل علی القاری علیہ رحمتہ الباری، جلد اول ص ۶۴۸۔ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ ۱۳۱۶ھ، استنبول) (اس عبارت کا ترجمہ علامہ علوی مالکی کی کتاب ذخائر محمدیہ کے حوالے میں صفحہ ۵۶ پر قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں)

☆ امام ملا علی قاری کی دینی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ خیال کرنا درست نہیں کہ انہوں نے یہ رسالہ معاذ اللہ شان رسالت میں گستاخی یا رسول کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) اذیت پہنچانے کے لئے لکھا تھا، بلکہ بزعم خویش (اپنے خیال سے) انہوں نے حق کو واضح کیا مگر جب تحقیق کے بعد خود ان پر حق واضح ہو گیا تو انہوں نے اپنے پہلے مسلک و موقف سے رجوع کر لیا، لہٰذا کوئی محقق و ناقد، ان کے اس پہلے قول کو اس مسئلہ میں سند کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔

☆ امام ملا علی قاری کے بارے میں تفسیر روح المعانی مؤلفہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) کے حوالے سے ناقلین جو عبارت نقل کرتے ہیں، شاید اصل کتاب دیکھ کر نقل نہیں کرتے اور اس عبارت سے آیہ قرآنی کے اتنے حصے **لا تقربوا الصلوۃ** والا سلوک کرتے نظر آتے ہیں کہ بعد کا حصہ چھوڑ دیتے ہیں، چناں چہ علامہ آلوسی کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو: ’’**وتفسير الساجدين بالانبياء رواه جماعة منهم الطبرانی، والبزار، وابو نعیم، عن ابن عباس ایضا، الانه رضی الله تعالیٰ عنه فسر التقلب فیهم بالتنقل فی اصلابهم حتی ولدته امه علیه الصلاة والسلام، وجوز علی حمل التقلب علی التنقل فی الاصلاب ان یراد بالساجدین المومنون، واستدل بالآیة علی ایمان ابویه ﷺ کما ذهب الیه کثیر من اجلة اهل السنة، وانا اخشی الکفر علی من یقول فیهما رضی الله تعالیٰ عنهما علی رغم انف علی القاری و اضرابه بضد ذلک الا انی لا اقول**

بحجیة الآیه علی هذا المطلب۔'' (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،ص۲۰۷ / ۱۱،مطبوعہ دارالفکر،بیروت،۱۴۱۷ھ)

اورالساجدین کی تفسیرانبیائے کرام علیہم السلام سے بھی ایک جماعت نے کی ہے،ان میں طبرانی، بزاراورابونعیم ہیں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس آیت (وتقلبک فی الساجدین) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ تقلب سے مراد تنقل فی الاصلاب ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورانبیائے کرام علیہم السلام کی پشتوں میں (یکے بعد دیگرے) منتقل ہونا مرادلیا گیا ہے۔(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباواجدادکوسجدہ کرنے والے اہل ایمان کہا گیا ہے) اوراہل سنت جلیل القدراکابرعلمائے کرام کی کثیر تعداد نے اس آیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے پراستدلال کیا ہے اور مجھے کفر کا ڈرہے اس پر جووالدین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کفر کی بات کہے، خاک آلود ہوناک ملاعلی قاری کی اوران کے ہم نواجواس پر بضد ہیں،مگر میں نہیں کہتا کہ اس مطلب پر یہ آیت، حجت ہے۔

☆ مزید ملاحظہ ہو:''تعلیم الایمان ترجمہ شرح فقہ اکبر''(مطبوعہ نول کشورے ۱۹۳ء)میں مولانا محمد نجم الغنی رام پوری (م ۱۳۵۱ھ)(☆)ابن مولوی محمد عبدالغنی خاں ابن مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں ابن مولانا حاجی محمد سعید محدث شاگردحضرت شاہ ولی اللہ دہلوی تفصیل لکھتے ہیں:''ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتا علی الکفر۔اورمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ حالت کفر پر مرے ہیں۔(معاذاللہ)۔مبحث اسلام آبائے کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جس کے لئے نہایت تفصیل درکار ہے،یہ وہ مسئلہ ہے کہ جب سخاوی نے اس میں خلاف کیا تو جلال الدین سیوطی نے اس مبحث میں چھ رسالے لکھے،علامہ سیوطی نے''دوران فلکی

(☆)''مرآۃ التصانیف'' مرتبہ مولانا حافظ محمد عبدالستار قادری چشتی (مطبوعہ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور، ۱۴۰۰ھ) میں مولانا حکیم نجم الغنی رام پوری کی ۳۱ (اکتیس) کتابوں کا تذکرہ ہے جن میں بحرالفصاحت، تسہیل اللغات، مذاہب اسلام، میزان الافکاروغیرہ مشہور ہیں۔

علی ابن الکرکی'' میں سخاوی کے تعقب میں لکھا ہے: **والثانی انه تکلم فی حق والدی المصطفی بما لا یحل لمسلم ذکرہ ولا یسوغ ان یجزم علیه فکرہ فوجب علی ان اقوم علیه بالانکار وان استعمل فی تنزیه هذا المقام الشریف الاقلام و الافکار فالفت فی ذلک ست مولفات شحنته بالفوائد وهی فی الحقیقة ابکار ومن ذا الذی یستطیع علی قیامی فی ذالک اویلقی نفسه فی هذہ المهالک من انکر ذلک اکاد اقول بکفرہ و استغرق العمر فی هجرہ**۔ قدما کے نزدیک ابوین شریفین اور بہت سے آبائے کرام کا ایمان ثابت نہیں کیوں کہ ان کو ظاہر احادیث صحیحہ مشہورہ سے رواج شرک وکفر کا ارباب زمانہ جاہلیت میں عموما یا خصوصا معلوم ہوا اس لئے انہوں نے ایسا حکم کیا اور اسی پر امام کا یہ قول بھی مبنی ہے مگر علمائے متاخرین اس کے خلاف ہیں وہ اسلام ابوین شریفین بلکہ جملہ آبائے کرام کے قائل ہیں، پس امام کے اس قول پر تعجب نہ کرنا چاہیئے کیوں کہ قدما کا یہ مذہب نہ تھا، متاخرین کو حق سبحانہ نے یہ علم مکشوف فرمایا ہے، علاوہ بریں اگر امام کے قول میں ہوتا ماتا **کافرین** تو گنجائش تعجب کی تھی حالاں کہ **ماتا علی الکفر** واقع ہوا ہے اور اس میں اور اس میں بڑا فرق ہے۔ ابن حجر اپنے فتاوی میں کہتے ہیں: **و علی التسلیم ان الامام قال ذلک فمعناہ انهما ماتا علی زمن الکفر و هذا لا یقتضی انصافهما به**۔ یعنی بر تقدیر اس کے کہ امام نے خود ایسا فرمایا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وفات والدین شریفین کی زمانہ کفر میں قبل اسلام کے واقع ہوئی اور یہ اس بات کو نہیں چاہتا کہ وہ کفر سے متصف تھے بلکہ اگر **ماتا کافرین** بھی واقع ہوتا تو بھی نص قطعی عدم نجات میں نہ ہوتا، آخر بہت سے محققین متاخرین قائلین نجات یہی فرماتے ہیں کہ: **ماتا کافرین ثم نجاهما الله تعالیٰ عن النار و ذلک لشرف خصوصیة النبی** ﷺ۔ یعنی کفر کی حالت میں مرے تھے پھر اللہ نے بوجہ شرف خصوصیت جناب سرور کائنات کے ان کو عذاب سے نجات دی اور

بعض یہ کہتے ہیں: **ان الله تعالی احیاھما وآمنا به کما ورد به الحدیث لینا لا فضیلة الصحبة**۔ یعنی اللہ نے ان کو زندہ کر کے ایمان نصیب کیا یہاں تک کہ فضیلت صحبت خیر البشر کو پہنچ گئے اور یہ سب بحث بر تقدیر ثبوت اس فقرے کے ہے جیسا کہ بعض نسخ فقہ اکبر میں واقع ہے اور اسی کو ملا علی قاری نے اختیار کیا ہے، حالاں کہ فقہ اکبر کے بہت سے نسخوں میں یہ فقرہ مندرج نہیں کہ اس سبب سے بعض علمائے کرام اس فقرے کو الحاقی ٹھہراتے ہیں اور نظیر اس کی یہ ہے کہ بعض نسخوں میں بحث استواء میں ایک عبارت پائی جاتی ہے، چناں چہ ابن تیمیہ حنبلی حمویہ میں اور حافظ ذہبی کتاب مسئلہ علو میں اور ابن قیم نونیہ میں استواء کی عبارت فقہ اکبر سے روایت کرتے ہیں اور ان لوگوں نے جس قدر عبارات اس بحث میں فقہ اکبر سے نقل کی ہیں آپس میں مختلف ہیں اور فقہ اکبر کے اکثر اور اشہر نسخوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بعض نسخوں میں استواء کی عبارت بڑھا دی ہے جس سے ان اکابر علماء نے نقل کیا ہے مگر نسخہ قدیم و معتمد میں وہ عبارت نہ پائی گئی، اوپر اس نسخے سے جو نقلیں ہوئیں وہ بھی زیادتی سے محفوظ رہیں۔ اور یہی ملا علی قاری کے نزدیک بھی معتمد تھا چناں چہ انہوں نے بحث استواء کی عبارت اپنی شرح میں نقل نہیں کی۔ نواب صدیق حسن خاں رسالہ **انتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح** میں مسئلہ استوا کی عبارت کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ عبارت جو امام کی طرف منسوب ہے بعض نسخہ فقہ اکبر میں نہیں ہے بعض میں پائی جاتی ہے۔ مولوی صاحب تائید تحقیق میں اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں کہ حافظ ابن قیم و مولوی زائر نے اسے امام کی طرف منسوب کیا ہے شاید نسخہ فقہ اکبر سے ایسے شخص نے نکال دیا ہے جس کا یہ عقیدہ نہیں ہے، مولوی وکیل احمد صاحب کہتے ہیں کہ ابن قیم نے اس باب میں اپنے استاد ابن تیمیہ کی پیروی کی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عرشی نے یہ عبارت بڑھا دی ہو، پس اسی طرح ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص نے جو والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان کے خلاف ہو، نسخہ فقہ اکبر میں یہ عبارت بڑھا دی ہو جس سے

متاخرین کو اپنے مذہب منصور کے موافق اس بحث کے طے کرنے اور امام کو اس پیچ سے نکالنے کی زحمت اٹھانی پڑی، چناں چہ علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیے میں لکھا ہے: **وما فی الفقه الاکبر من ان والدیه** ﷺ **ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام و یدل علیه ان النسخ المعتمدة لیس فیها شئی من ذلک**۔ یعنی فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ والدین رسول اللہ ﷺ کفر پر مرے ہیں یہ امام پر افتراء ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ عبارت ایسے نسخوں میں نہیں ہے جن پر اعتماد ہے۔ اس فقرے کو متاخرین نے یہاں تک برا جانا ہے کہ امام کی طرف اس کے منسوب کرنے کے بھی روادار نہیں اور ابن حجر مکی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جس نسخے میں یہ عبارت ہے وہ امام کا نہیں بلکہ وہ نسخہ محمد بن یوسف بخاری کا ہے اور طحطاوی، ابوین شریفین کے کفر پر مرنے کے قول میں بے ادبی خیال کرتے ہیں اور کئی دلائل سے انہوں نے ایمان والدین شریفین کو ثابت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ ضرور ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ابوین شریفین کفر سے محفوظ تھے اور یہ تمام باتیں خلاف قدمائے حنفیہ وغیرہ کے ہیں، علامہ سید عبد الرسول برزنجی شافعی ثم المدنی نے بھی متاخرین کے طور پر مسئلہ اسلام ابوین شریفین میں دفع ایراد قول فقہ اکبر کے واسطے چند تاویلات رسالہ **سدا دالدین وسدادالدین فی اثبات النجات والد رجات للوالدین** میں پیش کی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے جو یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے فقہ اکبر میں یوں کہا ہے کہ والدین سرور عالم ﷺ کفر پر مرے ہیں، یہ مردود ہے اس لئے کہ جو نسخے فقہ اکبر کے ایسے ہیں جن پر اعتماد ہے ان میں یہ نہیں ہے اور جس نسخے میں یہ لکھا ہے وہ ابوحنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی تصنیف نہیں، انتہی۔ اور علامہ آفندی شہیر بہ داغستانی رسالہ **اثبات النجات والایمان لوالدی سید الاکوان** میں فقہ اکبر کی عبارت **ووالدا رسول الله** الخ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی نسبت امام اعظم کی

طرف ثابت نہیں ہے چناں چہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں تصانیف کا رواج نہ تھا، ایک بات یہ بھی ہے کہ رسالہ فقہ اکبر میں صرف ایسے مسائل اعتقادیہ لکھے گئے ہیں کہ جو اہم مہمات سے خیال کئے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ اس قسم کا نہیں ہے جس پر اعتقاد واجب سمجھا جائے انتہی۔مگران علماء کی اس تاویل سے جو علامہ ابن حجر کے قول سے جنہوں نے اثبات ایمان ابوین شریفین میں بڑی کوشش کی ہے ان کو اشتباہ ہوا اقوال اکابر شرح مشہورین سابقین کے کذب و بطلان کا یقین کیوں کر آ سکتا ہے؟ صاف بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ (نظریہ) قدما کا تھا جس کو امام نے بیان فرمایا جو مسئلہ مختار محققین لاحقین کے خلاف ہے یا یہ فقرہ الحاقی ہے۔متاخرین کہتے ہیں کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب پر محض اس وجہ سے تخفیف عذاب کی کہ وہ کفار کی سختی کے مقابلے میں آں حضرت کی حمایت کرتے رہتے تھے چناں چہ بخاری و مسلم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:**اهون اهل النار عذابا ابو طالب و هو متنعل بنعلين يغلى منهما دماغه**۔یعنی دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکے عذاب والا ابوطالب ہے کہ وہ دو پاپوشیں پہنے ہے جس سے اس کا دماغ جوش مارتا ہے،تو آں حضرت کے والدین اس سے زیادہ رعایت اور اکرام الٰہی کے مستحق تھے،ابوطالب کے ساتھ جو کچھ رعایت کی گئی محض آں حضرت کے طفیل سے کی گئی تو ان کے والدین کے حق میں اس سے بڑھ کر فضل الٰہی ہونا چاہئے، بمقابلہ چچا کے والدین کے حق میں اکرام الٰہی حضرت کی زیادہ خوش نودی کا موجب ہے،طبائع اس پر مجبول ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے اہل قرابت قریبہ کو ناگفتنی بات کہے تو ضرور اس کا اثر دل پر پڑتا ہے اور طبیعت پر ناگوار گزرتا ہے،حضرت رسالت پناہ ﷺ ایسے امور سے سخت متاذی ہوتے تھے اور اپنی ناخوشی ظاہر فرماتے تھے،محبّ الدین احمد طبری ذخائر العقبیٰ میں ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت ابولہب نے حضرت رسالت میں یوں شکایت پیش کی کہ یارسول اللہ (ﷺ) لوگ مجھ کو حمالۃ الحطب

کی بیٹی کہتے ہیں اوراس کلمے سے عار دلاتے ہیں، سرورِ عالم ﷺ اسے سن کر نہایت غصے ہو کے اٹھے اور فرمایا کہ میری قوم کو کیا ہوا ہے کہ میرے اہل قرابت کو عار دلانے اور تشنیع کرنے سے مجھ کو اذیت دیتے ہیں، میری اذیت اللہ تعالیٰ کی اذیت ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ بنص قرآن سبیعہ کی ماں حمالۃ الحطب تھی اور ان کے والدین یقیناً جہنمی تھے ایسے شخص کی نسبت اس عار دلانے سے جو مستلزم تحقیر ہے، آپ کو ایذا پہنچی پھر آپ کے والدین کی تکفیر (عار دلانے کے لئے) کیوں کر باعث اذیت نہ ہو گی؟ تکفیر سے بڑھ کر بھی کوئی بات ایسی ہے جس سے اذیت پہنچے؟ حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے: **ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا**۔ یعنی جو لوگ اللہ و رسول کو اذیت دیتے ہیں ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسا عذاب مہیا کیا ہے جو خوار کرنے والا ہے۔ علامہ سیوطی درج منیفہ فی الآباء الشریفہ میں کہتے ہیں کہ شیخ کمال الدین شمنی جو ہمارے شیخ تقی الدین کے والد ہیں، لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن عربی سے جو مالک کے بڑے اصحاب سے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کی شان میں کیا فرماتے ہیں جو آبائے (والدین) رسول اللہ ﷺ کی نسبت کہتا ہے کہ وہ جہنم میں ہیں؟ ابن عربی نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین یوذون** الآیہ اور اس سے بڑھ کر کون سی اذیت ہے کہ کہا جائے کہ آپ کے آبا جہنم میں ہیں۔ اور ابن کرکی نے جب سیوطی پر اعتراض کیا تو انہوں نے رسالہ **طراز العمامہ فی الفرق بین العمامہ و القمامہ** میں ابن الکرکی کا سخت تعقب کیا اور یہ فرمایا کہ میں نے وہی بات کہی ہے جو مجھ سے پہلے کے علما کہہ گئے ہیں کہ یہ کہنا منہی عنہ (ممنوع) ہے، اس سے رسول اللہ (ﷺ) کو ایذا پہنچتی ہے جو شرعاً منہی عنہ ہے اور اس میں ابن عربی کے قول کو نقل کر کے کہا ہے کہ جو شخص ائمہ کے کلام کو دیکھے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ نے اس کو منع فرمایا ہے، جس شخص میں علم کی بو باس ہو وہ ہرگز

ایسے قول کا انکار نہیں کر سکتا، یہ عجیب بات ہے کہ اپنے آباء کی تعظیم کی جائے اور آبائے کرام حضرت رسالت پناہی کی اہانت۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے: **ولیس لنا ان نقول نحن ھذا فی ابویہ ﷺ لقولہ ﷺ لا تؤذوالاحیاء بسبب الاموات واللہ عزوجل یقول ان الذین یوذون اللہ و رسولہ الآیہ**۔ یعنی ہم کو نہ چاہئے کہ ہم آبائے رسول اللہ ﷺ کے باب میں اس قسم کی باتیں کہیں، آپ نے فرمایا کہ زندہ لوگوں کو مردوں کی برائی سے اذیت نہ پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین یوذون الآیہ**۔ غرض یہ ہے کہ ایسے مسئلہ کے ثبوت کے کیوں پیچھے پڑے جس سے جناب سرور عالم ﷺ کی روح پُرفتوح کو اذیت پہنچے، ایسے امور سے نفس کو روکنا بہتر ہے، چوں کہ ایمان والدین رسول اللہ ﷺ قدما کے نزدیک ثابت نہ تھا کیوں کہ احادیث مشہورہ سے ان کو زمانہ جاہلیت میں کفر وشرک کا رواج معلوم ہوا تھا اس لئے کہ وہ ان کے ایمان پر مرنے کے قائل نہ تھے، معاذ اللہ وہ کچھ تشنیع کی راہ سے ایسا نہیں کرتے تھے تا کہ روح پرفتوح جناب سرور کائنات کی اذیت کا باعث ہوتا، علاوہ اس کے امام کے **ماتا علی الکفر** کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی نجات نہ ہوئی ہو بلکہ اللہ نے ان کو زندہ کر کے ایمان سے بہرہ ور کیا ہے، چناں چہ علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیے میں کہا ہے: **ان اللہ تعالیٰ احیاھما وآمنا بہ کما ورد بہ الحدیث لینا لا فضیلۃ الصحبۃ** اور ملا علی قاری نے جو امام کے قول کی شرح میں کہا ہے کہ: **ھذا رد علی من قال انھما ماتا علی الایمان و ماتا علی الکفر ثم احیاھما اللہ تعالیٰ فماتا فی مقام الایقان و قد افردت لھذہ المسئلۃ رسالہ مستقلۃ و دفعت ما ذکرہ السیوطی فی رسائلہ الثلثۃ فی تقویۃ ھذہ المقالۃ بادلۃ الجامعۃ ▭ تمعۃ من الکتاب و السنۃ والقیاس والاجماع الامۃ** ۔ یعنی امام کا قول رد ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ آں حضرت کے والدین ایمان پر مرے ہیں یا کفر پر مرے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ

کیا پس انہوں نے ایمان لا کر انتقال کیا اور میں نے اس مسئلے میں ایک علیحدہ رسالہ تالیف کیا ہے اور اس میں سیوطی کے تین رسالوں کا جواب دیا ہے جو انہوں نے اس مبحث میں لکھے ہیں اور کتاب وسنت اور قیاس واجماع سے اس پر دلائل بیان کئے ہیں۔اور اس سے ملا علی کی شان میں کوئی حرف نہیں آ سکتا اس لئے کہ ان کے نزدیک قدما کا مذہب مرجح ثابت ہوا جو ابوین شریفین کے اسلام کے قائل نہیں البتہ علمائے متاخرین اس کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک دو باتیں ثابت ہیں یا تو وہ کفر کی حالت میں مرے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بوجہ شرف خصوصیت آں حضرت کے اس (کفر) سے نجات دی یا ایمان پر مرے ہیں کفر و شرک سے محفوظ تھے۔فقیہ محمد مرعشی ملا علی قاری کے قول سے بے حد ناراض ہوئے، چناں چہ ان کے حق میں کہتے ہیں: **العجب من علی القاری انه صنع فی هذ الباب رسالة و تکلف فیها و اتی باسجاع مملة فلعل البرودة اثرت فی راسه فاختل عقله**۔یعنی تعجب ہے کہ انہوں (ملا علی قاری) نے اس باب میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں تکلف کیا ہے اور عبارت میں قافیے جو دل پر ناگوار گزریں، درج کئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا علی کے سر میں سردی اثر کر گئی تھی جس سے ان کی عقل میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ مگر میرے نزدیک ملا علی قاری کے ایسا کرنے سے ان کی نیت پر حملہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ان کے نزدیک جو مذہب حق ثابت ہوا، اس کی تائید کی، اب اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ والدین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکفیر کا فقرہ الحاقی ہے بلکہ یہاں تک بھی ثابت ہو جائے کہ جس فقہ اکبر کی انہوں نے شرح کی اس کا انتساب امام کی طرف کذب وافتراء ہے اور فقہ اکبر امام کی اس کے ماسوا ہے جس سے ملا علی قاری ناواقف رہے، تو اس تقدیر پر بھی ملا علی قاری تکفیر ابوین شریفین کے پیچ سے نہیں نکل سکتے کیوں کہ یہ ان کا مسلم مذہب ہے جس میں شبہ اور دوسرے کی تاویل کو گنجائش نہیں۔“ (ص ۴۵۷ تا ۴۶۴)

☆ یہ مفصل تحریر اس لئے میں نے نقل کی کہ اس میں متعدد اقوال یک جا ہیں، حالاں کہ نجم

الغنی صاحب کے آخری جملے تحقیق کے خلاف ہیں کیوں کہ شرح شفا میں ملاعلی قاری جو لکھ چکے ہیں وہ قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ نجم الغنی صاحب نے ملاعلی قاری کا امام کے قول کے بارے میں جو اقتباس نقل کیا ہے جس میں کتاب وسنت اور اجماع و قیاس سے جامع دلائل کا ذکر ہے، اس بارے میں سوال یہ ہے کہ کون سی آیت ہے جس سے ملاعلی قاری نے استدلال کر کے امام اعظم کے قول کو ثابت کیا ہے؟ ملاعلی قاری نے اپنے دعوے پر اجماع امت کا ذکر بھی کیا ہے، یہ سراسر باطل ہے، اس لئے کہ کسی مستند کتاب میں ابوین شریفین کے کفر پر اجماع امت کا ذکر نہیں، یہ دعوی بلاشبہ بہت سنگین زیادتی ہے۔ اجماع امت سے کیا مراد ہے؟ اصحاب نبوی کا؟ تابعین کا؟ تبع تابعین کا یا معاصرین علماء کا؟ کس کا اجماع مراد ہے؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ جب کہ ان (ملاعلی قاری) کے استاد علامہ ابن حجر کا فرمان قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ وہ فقہ اکبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں! اور ملاعلی قاری کی ٹانگ ٹوٹنے کا ذکر بھی انہوں نے فرمایا، اس کے بعد کوئی محقق یہ کیسے کہے گا کہ ملا علی قاری کا یہ دعوی درست ہے یا ان کا موقف درست ہے؟ قدما (پہلوں) نے ایمان ابوین کا انکار کیا تو انہوں نے بھی کوئی صریح وصحیح قطعی دلیل پیش نہیں کی اور متاخرین نے متعدد دلائل پیش کر کے بھی یہی کہا کہ وہ اس مسئلے پر کوئی دعوی نہیں کرتے لیکن ادب و احتیاط اور قرابت ونسبت رسول کریم ﷺ کے مطابق یہی کہتے ہیں کہ یہی موقف اس مسئلے میں بہتر ہے کہ والدین کریمین کو ناجی وجنتی مانا جائے ورنہ سکوت اختیار کیا جائے، چناں چہ نجم الغنی صاحب بھی یہ مسئلہ سترہ صفحات میں لکھ کر آخر میں یہی لکھتے ہیں: ''ردالمختار میں ہے کہ مختصر یہ ہے کہ جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ ایسے مسئلے کا ذکر کرنا نہ چاہئے مگر مزید ادب کے ساتھ، یہ مسئلہ اس قسم کے مسائل سے نہیں ہے جس کے نہ جاننے سے کسی قسم کا ضرر مترتب ہو یا قبر میں یا موقف میں اس سے سوال کیا جائے گا، تو یہی چاہئے کہ اس میں گفتگو نہ کی جائے اور ایسی بات کہی جائے جو اولی واسلم ہو، انتہی۔ (ص ۳۷۴، ۴۷۴

،تعلیم الایمان شرح فقہ اکبر)

☆ قارئین کرام! اس مسئلے میں فترت اور اہل فترت کا ذکر بھی آیا ہے، اس بارے میں بھی کچھ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں، چناں چہ پہلے جناب مولوی نجم الغنی رام پوری ہی سے ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں: ''اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ حسن و قبح، اشیاء کا شرعی ہے اس طرح کہ شرع نے جس کو حسن کہا وہ حسن اور جس کو قبیح کہا وہ قبیح ہوا، اگر عکس کرتی تو عکس ہوتا، افعال کی ذات کو حسن و قبح واجب نہیں ورنہ شرع میں نسخ جائز نہ ہوتا، اس لئے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اس میں اختلاف اور تخلف پیدا نہیں ہوتا، حنفیہ اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے یعنی ہر چیز میں حسن و قبح، عقل کی طرف سے ہے حکم شرع کو اس میں دخل نہیں، صوفیہ بھی اس میں موافق ان کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم نے فرمایا ہے: **لا عذر لا حد فی الجهل بخالقه**۔ دوسرا قول ہے **ولم یبعث الله رسولا لوجب علی الخلق معرفته**۔ اشاعرہ و حنفیہ کے مسلک کا فرق تو ظاہر ہے، اس مسلک میں حنفیہ و معتزلہ میں بھی بڑا فرق ہے گو بظاہر دونوں فریق کہتے ہیں کہ عقلی ہے مگر متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کہ جو حسن و قبح عقلی ہے وہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس میں حکم الٰہی بھی بندے کے لئے صادر ہو ہاں وہ لائق و مستحق اس بات کے ہوتا ہے کہ اس میں حکم الٰہی نازل ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے، ترجیح بلا مرجح نہیں فرماتا اور اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھی نہیں قرار دیتا بلکہ جو واقعی اچھی ہوتی ہے اسی کی نسبت حکم دیتا ہے اور جو بری ہوتی ہے اس سے منع فرماتا ہے، بس نفس فعل میں ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ وجوب کو چاہتی ہے جیسے نماز، کہ اس میں معبود کی مناجات ہے جس نے اس کو واجب کیا ہے، اور فعل ہی میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اس فعل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے جیسے زنا کہ اس کی وجہ سے انساب میں خلط واقع ہوتا ہے اور یہ زنا کی حرمت کو چاہتا ہے، پس شارع حکیم ہے، جو چیز حرمت کو چاہتی تھی، اس فعل کو اس نے حرام کیا اور جو قابل وجوب تھی اسے واجب کیا، سو اصل حاکم اور واجب کرنے والا،

اللہ ہے اور شرع کھولنے والی ہے، پس جب تک اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اور اپنا کلام نازل کر کے حکم نہ دے، تب تک کوئی حکم حسن و قبح کا اور امر و نہی نہ ہوگا، پس زمانہ فترت کے لوگ ترک احکام الٰہی کی سزا میں معذب نہ ہوں گے اور اسی وجہ سے ان علماء نے تعلق تکلیف میں دعوت کا پہنچنا شرط کیا ہے، یعنی آدمی تعمیل احکام کے ساتھ مکلّف بعد پہنچنے دعوت کے ہوگا، پس کافر کو جب تک دعوت نہ پہنچے اس وقت تک وہ نہ ایمان کے ساتھ مکلّف ہے اور نہ بسبب کفر کے آخرت میں مواخذہ دار ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ امام کے دوسرے قول میں وجوب سے وجوب عرفی مراد ہے، اگر بالفرض اللہ تعالیٰ پیغمبر کو مبعوث نہ فرماتا جب بھی خلق کو سزاوار تھا کہ اپنے عقول سے اللہ تعالیٰ کو پہنچانیں۔ اور مشائخ بخارا کہتے ہیں کہ امام کا پہلا قول **مابعد البعثت** پر محمول ہے، یعنی رسول کے آنے کے بعد کوئی شخص خالق سے جاہل رہنے میں معذور نہیں۔ معتزلہ اور امامیہ اور کرامیہ اور براہمہ اس رائے کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک حسن و قبح ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کا موجب ہے، اگر بالفرض شرع نہ ہوتی اور نہ رسول مبعوث ہوتے اور اللہ تعالیٰ افعال ایجاد کرتا، تب بھی یہ احکام اسی طرح واجب ہوتے جس طرح شرع نے اب ان کو بیان کیا ہے۔ اور جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک حاکم عقل ہے نہ خدائے تعالیٰ، یہ قول ان کا صحت کے خلاف ہے، معتزلہ مسلمان تھے اور کوئی مسلمان ایسی بات کہنے کی جرات نہیں کر سکتا بلکہ معتزلہ تو یہ کہتے ہیں کہ عقل بعض احکام الٰہی کی معرف ہے، برابر ہے کہ ان کی نسبت شرع وارد ہو نہ یا ہو، اور یہی اکابر حنفیہ سے بھی منقول ہے، (دیکھو شرح مسلم الثبوت مولفہ بحر العلوم)۔ اور بعض نے متاخرین حنفیہ اور معتزلہ کے مذاہب کے فرق کو اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ اول الذکر کے نزدیک عقل ایک آلہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ شرع، کے کہ وہ کھولنے والی ہے، فعل کے حسن و قبح پر اطلاع دیتا ہے۔ ایجاب عقل کا کام نہیں بلکہ یہ کام اللہ کا ہے، اور معتزلہ کے نزدیک عقل واجب کرنے والی ہے، پس جب عقل نے حسن و قبح کو دریافت کر لیا تو

مقتضائے حسن وقبح اللہ تعالیٰ اور بندوں پر واجب ہو گیا اور جو چیز عقل میں نہیں آ سکتی، وہ واجب نہیں، اسی وجہ سے معتزلہ عقائد کے متعلق ہر اس بات کو نہیں مانتے جو عقل سے مدرک نہ ہو سکے، مثلاً رویت الٰہی اور عذاب قبر اور میزان اور صراط وغیرہ کے منکر ہیں، غرض کہ تمام اشاعرہ اور متاخرین محققین حنفیہ جیسے طحاوی وکرخی وفقیہ ابو اللیث وابن ہمام ومشائخ بخارا کے نزدیک ترک اسلام واختیار کفر سے اہل فترت قابل مواخذہ نہ ہوں گے۔ اور والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اہل فترت سے ہیں تو وہ بھی عذاب نار سے ناجی ہیں گو زمانہ کفر میں مرے ہیں اور اس تقدیر پر امام کے قول کے بھی یہی معنی ہوتے ہیں۔ اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ عرب کے حق میں تو فترت کا تحقق نہیں ہوتا، اس لئے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی شریعت قائم تھی۔ جواب: یہ غلط ہے اس لئے کہ حضرت نوح تک شریعت حضرت آدم علیہ السلام تھی، حضرت ابراہیم تک شریعت نوح کی، زمانہ بعثت سرور عالم تک شریعت ابراہیم کی، پھر فترت کا کوئی زمانہ نہ رہا۔ زمانۂ فترت ایسے زمانے کو کہتے ہیں جو دو انبیاء کی درمیان میں ہو اور آثار واحکام شریعت نبی سابق کے مضمحل ہو گئے ہوں، جب بعثت نبوی تک حضرت ابراہیم واسمٰعیل کی شریعت بدستور قائم رہی تو یہ زمانہ فترت کا نہ رہا۔ ابن حجر مکی لکھتے ہیں: **هذا بعيد جدا للاتفاق على ان ابراهيم ومن بعده لم يرسلوا للعرب و رسالة اسماعيل عليه السلام انتهت بموته اذلم يعلم بغير نبينا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عموم بعثته بعد الموت** ۔ یعنی یہ اعتراض عقل سے بہت بعید ہے اس لئے کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ ابراہیم اور ان کے بعد کے انبیاء، عرب کے رسول نہ تھے اور رسالت اسماعیل ان کے انتقال پر تمام ہو گئی، اس لئے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان کی عموم بعثت بعد موت کے متحقق نہ ہوئی۔ بہرصورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کی نجات بوجہ اہل فترت ہونے کے اشاعرہ کے اصول پر مبنی ہے جس کے ساتھ متاخرین حنفیہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔ اور متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ اگر کسی کو دعوت نہ پہنچے اور نہ اس کو اتنی مہلت ملے کہ خالق عالم

کے اثبات کے لئے تامل کر سکے اور بغیر اعتقاد ایمان و کفر کے مر جائے تو اس کو عذاب نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے کہ جو باوجود دعوت نہ پہنچنے کے کفر کا معتقد ہو کر مرا، یا اتنی مہلت پا کر جس میں وہ غور و فکر کر سکتا تھا، بغیر اعتقاد کفر و ایمان کے مر گیا تو اس کو عذاب ہوگا، مگر شامی یہ کہتے ہیں کہ اشاعرہ و متاخرین حنفیہ کے مذہب کے مطابق وہی شخص عذاب نار سے ناجی ہے جو دعوت پہنچنے سے قبل بغیر اعتقاد کفر کے مرا ہے کیوں کہ اس پر کفر کا حکم نہیں اور جو بعثت سے قبل کفر و شرک کا معتقد ہو کر مرا ہے اس کی دوزخ سے نجات نہیں، جیسا کہ نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح کی ہے اور اسی پر بعض مالکیہ نے ان احادیث کو حمل کیا ہے جن میں اہل فترت کے معذب ہونے کا ذکر ہے، البتہ ان اہل فترت کی نجات اور عدم نجات میں خلاف ہے جنھوں نے نہ شرک کیا اور نہ توحید حاصل کی بلکہ ساری عمر غفلت میں گزاری، پس اشاعرہ و متاخرین حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو عذاب نار سے نجات ہے کیوں کہ اس کو دعوت رسول نہیں پہنچی اور امام ابوحنیفہ و متقدمین حنفیہ کے نزدیک نجات نہیں اس لئے کہ اس کو اتنی مہلت مل گئی کہ صانع عالم کے وجود کے ثبوت کی نشانیوں پر غور و تامل کر سکے اور پھر بھی وہ اللہ پر ایمان نہ لایا کیوں کہ عقل کے ساتھ اس قدر تجربہ اور مہلت ہونا اس کے حق میں دعوت رسول کے برابر ہے، مگر مشہور یہ ہے کہ اشاعرہ و متاخرین حنفیہ کے نزدیک وہ شخص بھی معذور ہے جس کو دعوت نہ پہنچی ہو اور اس وجہ سے شرک کا معتقد رہا ہو اور ان اصحاب زمانہ جاہلیت کی نجات میں شبہ نہیں جنھوں نے اپنی عقل سے ہدایت حاصل کی جیسے قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ اور جب ہم عام دلائل و قرائن پر نظر کرتے ہیں تو اللہ کی مہربانی سے امید کرتے ہیں کہ اس نے جناب سرور کائنات کے والدین کو گروہ موحد ہی میں رکھا ہوگا کیوں کہ آں حضرت نے صاف فرما دیا ہے کہ میں ایسے فرقوں میں منتقل ہوتا رہا ہوں جو دوسروں سے بہتر تھا۔ اور بعض محققین یہ کہتے ہیں آں حضرت کے ایسے اقوال میں کہ میں بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن در قرن منتقل ہوتا آیا ہوں، یہ مراد ہے کہ جو

طبقہ خصائل حمیدہ اور فضائل شریفہ رکھتا تھا، جن سے عقلا کے عرف میں اہل کرم کی مدح کی جاتی ہے، اس میں حضرت کا نور منتقل ہوتا رہا، خیریت سے مراد دین وایمان کی خیریت نہیں ہے اور اس تقدیر پر اللہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اس نے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایام جاہلیت کے ان لوگوں میں سے کیا ہوگا جنھوں نے نہ شرک کیا نہ موحد بنے مگر متاخرین اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملت ابراہیمی پر تھے اور توحید کرتے تھے۔"

(ص ۴۶۷ تا ۴۷۱، تعلیم الایمان شرح فقہ اکبر مطبوعہ نول کشور)

☆ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے ابوین شریفین کے ایمان کے بارے میں سوال کرتے ہوئے سائل نے، فترت اور اہل فترت کی جو تفصیل لکھی ہے، محققین اور اہل علم کے لئے وہ بھی نقل کرتا ہوں، سائل لکھتے ہیں۔

"سوال: اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے: **لتنذر قوماما اتھم من نذیر من قبلک۔** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہ ہم نے بھیجا آپ کو تا ڈراویں آپ اس قوم کو کہ اس کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ کے قبل نہ آیا، تو اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم زمانہ فترۃ میں تکلیفات شرعیہ سے ناواقف تھی اور یہ آیت سورۂ قصص میں واقع ہے اور یہ امر اس آیت کے سیاق سے بھی صراحۃً معلوم ہوتا ہے، اس واسطے کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: **ولولا ان تصیبھم مصیبة بما قدمت ایدیھم فیقولوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع آیتک ونکون من المومنین۔** (قصص) یعنی اور اگر یہ نہ ہوتا کہ پہنچتی ان لوگوں پر مصیبت بسبب اس کے کہ آگے بھیجا ان لوگوں کے ہاتھوں نے پس کہتے وہ لوگ کہ اے پروردگار ہمارے کیوں نہیں بھیجا تو نے ہمارے پاس رسول کہ تابعداری کرتے ہم تیری آیتوں کی اور ہوتے ہم مومنین سے یعنی آپ کو اس واسطے بھیجا تا کہ یہ لوگ یہ عذر نہ کریں لیکن یہ جو آیت ہے: **لتنذر قوما ما انذر آباؤھم فھم غافلون۔** (یٰس) یعنی آپ اس واسطے مبعوث ہوئے تا آپ

ڈراویں اس قوم کو کہ نہ ڈرائے گئے آبا ان کے پس وہ لوگ غافل تھے۔ تو اس آیت سے صراحۃً وہ مضمون ثابت نہیں ہوتا جو اوپر مذکور ہوا، اس واسطے کہ اس آیت میں جو لفظ ما کا ہے اس میں تین احتمال ہیں۔ اول یہ کہ ما نافیہ ہو اور دوسرے یہ کہ ما مصدریہ ہو اور تیسرے یہ کہ ما موصولہ ہے اور صرف اول احتمال کی بنا پر یعنی جب ما نافیہ ہو تو نفی انذار کی ثابت ہوتی ہے، یعنی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آبا ڈرائی نہ گئی اور وہ احکام شریعہ سے ناواقف تھی، اور باقی دو احتمال کی بنا پر یعنی جب ما مصدریہ ہو یا موصولہ ہو تو نفی انذار کی ثابت نہیں ہوتی اور تفسیر نیشا پوری میں لکھا ہے: **وقد يقال ان مانا فية او موصولة او مصدرية اى ارسلت لتنذر انذار آبائهم اوما انذر آبائهم اوما انذره آبائهم فانهم فى غفلة فعلى هذا كونهم غافلين بسبب باعث على الانذار و على الاول عدم الانذار سبب غفلتهم انتهى** ۔یعنی اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ما نافیہ ہے یا موصولہ یا مصدریہ ہے۔ یعنی آپ بھیجے گئے تا ڈراویں قوم کو مانند ڈرائے جانے آبا ان کے کے یا جیسا ڈرایا ان کے آبا کو یا جس چیز سے ڈرایا ان کے آبا کو پس وہ لوگ غفلت میں ہیں، پس اس بنا پر یہ معنی ہوا کہ وہ لوگ غافل تھے اس سبب سے جو باعث ہے ڈرانے کے لئے اور جب ما نافیہ کہا جاوے تو عدم انذار ان کی غفلت کا سبب ہوگا، یہ مضمون تفسیر نیشا پوری کی عبارت مذکورہ کا ہے۔ حاصل کلام جب یہ آیت **لتنذر قوما ما انذر آبائهم** الآیہ۔ اس آیت مذکورہ کے ساتھ لحاظ کی جاوے جو سورۂ قصص میں ہے یا اس آیت کے ساتھ لحاظ کی جاوے **وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا**۔ یعنی نہیں ہیں ہم عذاب کرنے والے جب تک رسول نہ بھیجیں، تو اس آیت سے ان لوگوں کی نجات ثابت ہوتی ہے جو زمانہ فترۃ میں تھے۔ اور یہ امر موافق قاعدہ اہل سنت و جماعت کے ثابت ہے، اس واسطے کہ اہل سنت و جماعت اس امر کے قائل ہیں کہ حسن اور قبح امور کا شرعی ہے یعنی صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر کے کرنے کا شرع میں حکم ہے تو وہ امر بہتر ہے

اور فلاں امر سے شرع میں منع کیا گیا ہے تو وہ امر قبیح ہے اور اہل سنت و جماعت کو اس امر سے انکار ہے کہ صرف عقل کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاوے کہ فلاں امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے، اب کلام اس میں ہے کہ انذار سوا بعث رسول کے ہے اور زمانہ فترۃ وہ ہے کہ اس میں بعثت رسول کی نہ ہووے اور انذار نہ ہونے سے وہ زمانہ کہ زمانہ فترۃ کا ہے اس کے بارہ میں حکم فترۃ کا نہیں دیا جاتا، تو درمیان حضرت عیسیٰ اور آں حضرت علیہما الصلوٰۃ والسلام کے کہ مدت پانچ سو ساٹھ برس کی ہے، زمانہ فترت کا نہ تھا کہ اس زمانہ کے لوگ اپنے حق میں حکم فترۃ کا قرار دے ویں اور اپنے کو صبیان اور دیوانہ کے مانند کہیں کہ سزاوار عذاب کے نہیں، اس واسطے کہ علم انبیاء سابقین کا خصوصاً علم حضرت موسیٰ و حضرت علیہما السلام کا اس بلاد میں شائع تھا اور اگر چہ کتب الٰہیہ میں لوگوں نے تحریف کی تھی لیکن توحید اور اثبات نبوت اور معاد کہ اصول ثلثہ دین کا ہے، ان امور میں فی الجملہ وہ لوگ کلام کرتے تھے، چناں چہ تفسیر نیشا پوری میں سورۂ قصص کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: **من قبل کا مانت حجة الانبیاء قائمة علیهم ولکن بعث الیهم من تجدد تلک الحجة علیهم فبعث الله تعالیٰ تقریر التسلک التکلیفات وازالة لتلک الفترة۔** یعنی پہلے حجت انبیاء کی قائم تھی ان لوگوں پر لیکن نہیں بھیجا گیا تھا ان لوگوں کے پاس ایسا کوئی نبی جو تازہ کرے وہ حجت ان لوگوں پر پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کو تا احکام شرعیہ ان لوگوں کی عقل میں ثابت فرما دے وے اور اس فترۃ کو دور فرما دے ویں، یہ ترجمہ تفسیر نیشاپوری کی عبارت مذکورہ کا ہے۔ پس نفی انذار و بعث رسول دونوں آں حضرت (ﷺ) کی قوم کے بارے میں متحقق ہے اور مراد بعث رسول سے آیہ **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔** (بنی اسرائیل) میں یہ نہیں ہے کہ رسول اسی قوم سے ہووے بلکہ مراد یہ ہے کہ جہان میں کوئی رسول آیا ہو کہ خبر اس رسول کی اور اس کے احکام کی مکلفین کو پہنچی ہو اگر چہ وہ احکام بطور اجمال کے پہنچے ہوں اور مکلفین کو اس رسول کا علم حاصل ہو

جاوے کہ ہمارے مذہب کے علاوہ جہاں میں دوسرا مذہب بھی ہے کہ اس کو لوگ حق اور واقعی معلوم کرتے ہیں، اس واسطے کہ اسی قدر بحث وتفتیش وسوال وتحقیق دین تکلیفات شرعیہ کے ثابت ہونے کے لئے کافی ہے، البتہ زمانہ فترۃ کا ہونا درمیان حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد گزرنے عاد وثمود کے مسلم ہے، اگر زمانہ فترۃ کے ثبوت کے لئے صرف یہ کافی ہووے کہ اس زمانہ کی قوم سے کوئی رسول نہ ہوا ہوتو لازم آتا ہے کہ اکثر زمانہ حق میں اکثر لوگوں کے زمانہ فترۃ کا ہو اور جب یہ امر ثابت نہیں تو یہ بھی ضرور نہیں کہ جس زمانہ میں اس زمانہ کے لوگوں کی قوم سے نبی نہ ہوا ہوتو وہ زمانہ، زمانہ فترۃ کا ہوگا اور احادیث صحیحہ میں غور فرمایا جاوے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ کے کفار کو کس قدر نکوہش فرمائی، مثلاً: **ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقت عربھم و عجمھم الابقایا من اھل الکتاب**۔ یعنی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے نظر فرمائی اہل زمین کی طرف پس غضب فرمایا عرب اور عجم پر سوا ان لوگوں کے جو اہل کتاب سے باقی رہ گئے تھے۔ اور آیات قرآنی میں غور فرمایا جاوے کہ: **کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا**۔ یعنی تھے تم لوگ کنارہ پر آتش جہنم کے پس ہٹایا تم لوگوں کو وہاں سے۔ اور اس کے مانند اور بھی آیتیں ہیں تو ان آیتوں کا کیا معنی ہوگا؟ پس زمانہ جاہلیت کہ قبل بعثت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھا، اس کو زمانہ فترۃ باعتبار اصطلاح کے نہیں کہہ سکتے، اگرچہ فترۃ کے معنی لغوی کے اعتبار سے اس کو زمانہ فترۃ کہہ سکتے ہیں، چناں چہ اس معنی لغوی کے اعتبار سے فترۃ کا لفظ اس آیت میں وارد ہے: **یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاء نا من بشیر ولا نذیر**۔ (مائدہ) یعنی اے اہل کتاب تحقیق کہ آیا تم لوگوں کے پاس رسول ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تم لوگوں کے ایسے زمانہ میں کہ پیمبر نہ تھا تاتم عذر نہ کرو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہ آیا، یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے، تو اس آیت میں خطاب اہل کتاب کے ساتھ ہوا ہے اور فترۃ

اصطلاحی اہل کتاب کے حق میں متصور نہیں ہوسکتی اوراسی وجہ سے حدیث شریف میں جا بہ جا اس وقت مردوں پر عذاب ہونے کا حال وارد ہے، مثلاً **ابی و ابوک فی النار** یعنی میرے اورتمہارے باپ دونوں دوزخ میں ہیں، یہ حدیث جواب میں اس شخص کے وارد ہوئی کہ اس نے پوچھا کہ **این ابی** یعنی میرا باپ کہاں ہے؟ (☆) اورمثلاً یہ بھی حدیث شریف ہے: **لینتھین اقوام عن فخرھم بابائھم الذین ھم فحم من فحم النار اولیکونن اھون علی اللہ من الجعل الذی ید ھدہ الخرء بانفہ**۔ یعنی البتہ باز آویں گے لوگ فخر کرنے سے اپنے آباء پر کہ ان کے وہ آبا کوئلہ ہیں، دوزخ کے کوئلہ سے یا نہیں تو وہ لوگ فخر کرنے والے سبک اور ذلیل ہوجاویں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جانور سے (اس کو ہندی میں گبرولا کہتے ہیں) جو اپنی ناک سے پلیدی کو زمین پر غلطاں کرتا ہوا لے جاتا ہے، یہ حدیث مذکور کا ترجمہ ہے۔ اوراس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں، البتہ آں حضرت ﷺ کی قوم کے پاس کوئی نذیر یعنی ڈرانے والا نہ آیا تھا کہ ان لوگوں کو کفر اور معاصی سے ڈراتا اوراگرچہ خاص کر ایسے نذیر کا نہ آنا دفع عذاب کے لئے حجت نہیں، لیکن رحمت الٰہی نے ان لوگوں کا یہ عذر بھی زائل فرمادیا اورایک عظیم الشان نذیر یعنی آں حضرت ﷺ کو اس جہان میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اور اگر اس آیت میں غور کیا جاوے: **ولولا ان تصبیھم مصیبة بما قدمت ایدیھم** ۔ (قصص) تو ظاہر ہوتا ہے کہ پہنچنا مصیبت کا ان لوگوں کے اعمال کے عوض میں کنایہ عذاب سے ہے، خواہ عذاب دنیاوی ہو یا اخروی ہو، ان لوگوں کے مقدر میں تھا اور یہ امر ہونے والا تھا لیکن ان لوگوں کو جگہ کہنے کی ہوتی کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہ آیا اورکوئی ڈرانے والا نہ آیا تو ہم پر عذاب کیوں ہوتا ہے؟ اس واسطے آپ کو ہم نے بھیجا تا وہ لوگ یہ عذر نہ کرسکیں چناں چہ **الینا** کی قید سے **لولا ارسلت الینا رسولا** ۔ (قصص) میں ہے یہی مضمون مفہوم ہوتا ہے۔ اور جو

(☆) قارئین اس حدیث کے بارے میں تحقیق ملاحظہ فرماچکے ہیں۔

دوسری آیت یہ ہے: **واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاء ھم نذیر لیکونن اھدی من احد الامم** ۔(فاطر) یعنی اور قسم کھائی ان لوگوں نے اللہ کی قسم مستحکم کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آوے تو ہم لوگ سب امتوں سے زیادہ راہ راست پر ہو جائیں گے، یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے۔تو اس آیت سے بھی صراحۃً معنی مذکور ہی سمجھا جاتا ہے اور اسی قبیل سے یہ آیت بھی ہے کہ:**ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا وان کنا عن دراستھم لغافلین او تقولوالو انا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم الخ** (الانعام)۔یعنی اگر آں حضرت ﷺ کو مبعوث نہ کرتے تو تم کہتے کہ نازل کی گئی کتاب دو جماعت پر ہمارے قبل اور ہم لوگوں کا حال دریافت کرنے سے غافل تھے یا تم کہتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ ان لوگوں سے راہ راست پر زیادہ ہوتے الخ (یعنی آیت کے آخر تک)۔تو ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ معتقد تھے کہ ہمارے قبل دو جماعت پر کتاب نازل ہوئی تھی اور جانتے تھے کہ ان دونوں جماعتوں کا حال کیا ہے اور دربارۂ توحید اور نبوت اور معاد کے ان لوگوں کا عقیدہ کیا تھا؟ بلکہ ورقہ بن نوفل کے بارہ میں شروع صحیح بخاری میں مذکور ہے: **فیکتب من الانجیل بالعربیۃ ماشاء ان یکتب** ۔یعنی پس لکھتے تھے ورقہ بن نوفل انجیل سے عربی زبان میں جو چاہتے تھے کہ لکھیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی دعوت عیسوی پہنچی تھی اور انجیل کا ترجمہ سنتے تھے،تو ایسی صورت میں اس زمانہ کے بارے میں احکام زمانہ فترۃ کا کیوں کر دیا جا سکتا ہے؟ اور اگر قبل زمانہ بعثت آں حضرت ﷺ کے زمانہ فترۃ کا تھا تو ابوین شریفین کے بارے میں علماء کے اختلاف کا سبب کیا ہے؟ کہ فقہ اکبر میں ان کے بارے میں کفر کی تصریح ہے۔(☆) اور سیوطی اور دیگر علما نے ان کے ایمان

(☆) فقہ اکبر کے بارے میں تحقیق،قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہ بھی وہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ابوین شریفین کے بارے میں کفر کی ہرگز ہرگز کوئی تصریح نہیں ہے۔

کے ثبوت میں رسالہ لکھا ہے۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جواب تحریر فرماتے ہیں:

''**جواب**: مہربان من! جب معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے قبل زمانہ فترۃ کا نہ تھا بلکہ زمانہ جاہلیت کا تھا تو اشکال اور شبہ جو سوال میں مذکور ہے، زائل ہو گیا اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہ زمانہ، زمانہ فترۃ کا تھا تب بھی اس اختلاف کی گنجائش ہے اس واسطے کہ ایمان اور کفر دوسری چیز ہے اور عذاب اور نجات دوسری چیز ہے، تو کافرانِ زمانہ فترہ کے حق میں نہایت امر یہی ہے کہ کاش اگر ثابت ہو جاوے تو صرف ان کی نجات ثابت ہوگی لیکن ان لوگوں کا ایمان ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور اس مسئلہ میں بحث یہ ہے کہ زمانہ فترۃ میں آبا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرک اور کافر تھے اور بسبب غفلت فترۃ کے سزاوار عذاب کے نہ ہوئے، یا موحد تھے اور اس انتظار میں تھے کہ جب نبوت آں حضرت کی دنیا میں ظاہر ہو جاوے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوی نبوت کا کریں تو ہم لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا ایمان ظاہر کریں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابع داری کریں، تو فقہ اکبر میں ابوین آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں جو لکھا ہے **ماتا علی الکفر** تو اگر یہ قول ثابت بھی ہو جاوے تو اس قول میں اور ابوین شریفین کی نجات ثابت ہونے میں کچھ تناقض نہیں، البتہ یہ جو قول ہے کہ ابوین شریفین موحد تھے اور شرک سے بے زار اور متنفر تھے تو اس قول میں اور فقہ اکبر میں تناقض کا گمان ہوسکتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ علماء ابوین شریفین کی نجات ثابت کرتے ہیں اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوین شریفین کی نجات ثابت کرنے میں علماء کا تین مسلک ہے۔......'' (اس سے آگے کی تحریر اسی مقدمہ میں پہلے درج کی جا چکی ہے)۔(سرور عزیزی المعروف فتاوی عزیزی، مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور، جلد اول، ص ۲۸۹ تا ۲۹۵)

☆ حضرت امام قسطلانی اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' میں فرماتے ہیں: ''اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی نجات کا قائل ہے اس نے اس طور پر بھی تمسک کیا ہے کہ آپ

کے والدین ماجدین نے بعثت سے پہلے فترت کے زمانہ میں وفات پائی ہے (یہ وہ زمانہ ہے جس میں نزول وحی اور احکام موقوف تھے) بعثت سے پہلے جو کوئی مر جائے تو اس کے لئے تعذیب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے: **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**۔ اہل کلام اور اصول سے اشاعرہ نے اور شافعیہ سے فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جو شخص ایسے حال میں مر گیا کہ دعوت نبوت اس کو نہیں پہنچی تو وہ ناجی مرا۔'' (ص ۹۲)......مزید فرماتے ہیں: ''اور بھی مسلم میں ہے کہ ایک مرد نے پوچھا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، دوزخ میں ہے جب کہ اس نے پیٹھ پھیری آپ نے اس کو بلایا اور یہ فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص کفر پر مرا ہے وہ دوزخ میں ہے اور اس کو مقربین بارگاہ الٰہی کی قرابت نفع نہیں دیتی ہے۔ اور اس حدیث میں یہ فائدہ ہے کہ جو شخص زمانہ فترت میں مرا اور جس طریق پر عرب لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ شخص اس طریق پر تھا، وہ دوزخ میں ہے اور اس میں قبل پہنچنے دعوت نبوت کے مواخذہ نہیں ہے، اس لئے کہ فترت کے زمانہ میں جو لوگ مر گئے ہیں ان کو حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں مر گیا ہے وہ دوزخ میں ہے اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے مر گیا ہو، اس لئے کہ مشرکین نے دین ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت کو متغیر کر دیا تھا اور حنیفیت کے ساتھ شرک کو بدل دیا تھا اور شرک کا ارتکاب کیا تھا، مشرکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حجت نہیں ہے جو انہوں نے شرک اختیار کیا تھا، اول سے آخر تک جو رسول تھے ان کل کے دین سے، ان لوگوں کو ہمیشہ علم رہا ہے کہ شرک قبیح ہے اور شرک پر وعید ہے کہ اہل شرک دوزخ میں جائیں گے، یہ خبریں کہ اللہ تعالیٰ شرک پر مشرکین کو عقوبتیں کرے گا، ایک قرن سے دوسرے قرن کے بعد امتوں کے درمیان چلی آتی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے واسطے ہر وقت اور ہر حین میں

مشرکین پر حجت تامہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اخبار اور حجتیں مشرکین کی عقوبتوں کے لئے نہ ہوتیں اور صرف توحید ربوبیت کی وہ فطرت ہوتی جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ہوتا کہ ہر ایک فطرت اور ہر ایک عقل میں محال ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان امور کا قائل کیا ہوتا تو یہ امور حجت میں کافی ہوتے اور اگر چہ اللہ تعالیٰ تنہا اس فطرت کے مقتضا کے سبب عذاب نہ دیتا (اس لئے کہ صحیح یہ امر ہے کہ ایمان واجب نہیں ہوتا مگر شرع کے ساتھ، نہ عقل کے ساتھ، آدمیوں نے اگر چہ اپنے عقول سے ادراک کیا لیکن جس شے کا انہوں نے ادراک کیا اس کے مقتضی پر عدم جاری ہونے پر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا) اہل زمین کو ہمیشہ یہ معلوم ہوتا رہا ہے، رسولوں نے روئے زمین پر مخلوق کو توحید کی طرف بلایا ہے، پس مشرک بتوں کی عبادت کرنے والا دوزخ میں عذاب کا مستحق ہوگا اس لئے کہ مشرک نے رسولوں کی دعوت کی مخالفت کی ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا ہے جیسے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہنے والے ہیں، امام فخر الدین رازی کا قول ختم ہوگیا۔ اور علامہ عبداللہ الابی جو مالکیہ سے ہیں انہوں نے صحیح مسلم کی شرح اکمال الاکمال میں امام نووی کے اس قول کا تعقب کیا ہے جو آگے گزر چکا ہے، نووی کے قول میں یہ ہے کہ جس حالت پر عرب لوگ تھے کہ بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، جو شخص اس فترت پر مرے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ نووی کے آخر قول تک کا کیا معنی ہے؟ تم نووی کے کلام میں تامل اور غور کرو کہ کتنی منافات ہے، نووی نے تصریح کی ہے کہ وہ لوگ اہل فترت ہیں، اہل فترت وہ لوگ نہیں ہیں جن کو رسالت یا نبوت کی دعوت پہنچ چکی ہے، اس لئے کہ اہل فترت وہ امتیں تھیں جو رسولوں کے زمانہ میں پیدا ہونے والی تھیں وہ وہ لوگ تھے جن کی طرف اول رسول نہیں بھیجا گیا اور نہ ان لوگوں نے دوسرے رسول کو پایا، جیسے اعراب ہیں یعنی بادیہ کے رہنے والے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف نہ عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے اور نہ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لاحق ہوئے، فترت اس تفسیر

سے اس زمانہ کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہے جیسے نوح اور ہود علیہ السلام کے درمیان فترت ہے، لیکن فقیہ لوگ جس وقت فترت کے باب میں کلام کرتے ہیں تو وہ اس فترت سے مراد لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہے۔ اور بخاری نے سلمان سے موقوف طور پر روایت کی ہے کہ فترت کی مدت چھ سو برس تھی، جب کہ دلائل قاطعہ قرآنی نے اس امر پر دلالت کی ہے کہ مشرکین پر تعذیب نہیں ہے یہاں تک کہ رسول کے بھیجنے سے ان پر حجت قائم ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا**۔ ہم نے اس سے یہ جانا ہے کہ ایسے مشرکین کو عذاب نہ دیا جائے گا جن پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی ہے (کہ رسول کی دعوت ان کو نہیں پہنچی ہے)۔ اگر تم یہ اعتراض کروگے کہ بعض اہل فترت کی تعذیب میں احادیث صحیح وارد ہوئے ہیں جیسے یہ حدیث ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں دوزخ میں کھینچ رہا تھا اور میں نے صاحب محجن کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں تھا (صاحب محجن ایک مرد تھا کہ اپنے ساتھ ایک آنکڑا رکھتا تھا اور حاجیوں کا سامان چراتا تھا، جس وقت اس کے سرقہ کا علم ہوجاتا تو وہ سامان کے مالک سے کہہ دیتا کہ یہ شے خود میرے آنکڑے سے لٹک گئی تھی)۔ اس اعتراض کا جواب بہت سے جوابوں سے دیا گیا ہے، ان جوابوں میں کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں اخبار احاد ہیں (کہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں) پس یہ حدیثیں قطعی حکم کا کہ وہ قرآن مجید ہے، اس طور سے معارضہ نہیں کرسکتی ہیں کہ ان لوگوں کو عذاب نہ دیا جائے گا (پس ان حدیثوں پر قرآن مجید کی تقدیم واجب ہے اگرچہ حدیثیں صحیح ہوں)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں پر تعذیب متصور کی گئی ہے (یہ حدیثوں کے وارد ہونے کی وجہ سے ہے جو لوگ ان کے سوا ہیں ان پر ہم ان کا قیاس نہ کریں گے، پس یہ حدیثیں حکم قاطع کے منافی نہیں ہیں) اور عذاب کے سبب کا علم اللہ تعالیٰ کو زیادہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تعذیب جو ان احادیث میں وارد ہے انہیں لوگوں پر متصور ہے جنہوں نے

توحید کو شرک سے بدل دیا اور تغیر دے دیا ہے اور وہ اہل فترت سے تھے (جیسے عمرو بن لحی ہے) کہ اس نے ضلالت اختیار کی اور بتوں کی عبادت کی ایسے لوگوں کا عذر مسموع نہ ہوگا انہوں نے شرائع کو متغیر کر دیا۔

اہل فترت تین قسم ہیں: اول قسم اہل فترت وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید کو پایا تھا (کہ اس بصیرت نے ان کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت سے منع کیا تھا) پھر ان لوگوں میں سے وہ لوگ ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کی طلب کی اور نبی ﷺ کے خروج کا انتظار کیا) جیسے قس بن ساعدۃ الایادی تھے اور زید بن عمرو بن نفیل تھے اور ان میں سے وہ لوگ ہیں کہ شریعت حق میں جس کے آثار قائم تھے، داخل ہوئے ہیں جیسے تبع اور اس کی قوم حمیر سے تھی اور اہل بحران اور ورقہ بن نوفل ہیں اور ورقہ کا نام عثمان بن الحویرث ہے (کہ ان لوگوں نے قبل نسخ دین نصرانیت کے عہد جاہلیت میں نصرانیت اختیار کر لی تھی)۔

دوسری قسم اہل فترت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے توحید کی تبدیل اور تغیر کر دی اور شرک اختیار کیا اور توحید اختیار نہیں کی اور اپنے نفس کے لئے ایک شرع ٹھیرا کے احکام مشروع کئے تھے کہ خود حلال قرار دیا اور خود حرام ٹھیرایا تھا، یہ لوگ اکثر اہل عرب سے ہیں جیسے عمرو بن لحی (بن قمعہ بن الیاس بن مضر ہے) یہ اول وہ شخص ہے جس نے عرب کے واسطے بتوں کی عبادت کا طریقہ ڈالا ہے اور احکام مشروع کئے ہیں، بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام (یہ چار قسموں کے اونٹ بتوں کے لئے نذر کئے تھے) اور اس کا اتباع کل عرب نے کیا تھا اور ان کے سوا اور بہت سے امور ہیں جن کو عمرو بن لحی نے اختیار کیا تھا جن کا بیان طول کلام ہے (ملک شام سے عمالیق کے پاس سے ہبل بت کو لایا تھا اور کعبہ کے پاس نصب کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی کا جن شامہ نامی تھا اس نے اس سے کہا کہ جدہ کو جا، وہاں پر معبود ہیں لے کر آ، نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بت لے کر آیا اور لوگوں کو بت پرستی سکھائی

اور دین ابراہیم کو میٹ دیا۔

تیسری قسم اہل فترت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا اور نہ توحید کی اور نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے اور نہ اپنے نفس کے واسطے کوئی شریعت اختراع کی اور نہ کوئی دین اختراع کیا بلکہ وہ لوگ ان کل امور سے اپنی تمام عمر غفلت پر باقی رہے، جاہلیت کے جو لوگ ان طریقوں پر تھے وہ بھی اسی تیسری قسم میں داخل ہیں، پس جس وقت اہل فترت تین قسموں پر منقسم ہوئے جن لوگوں کی تعذیب صحیح ہوگی تو اہل قسم ثانی پر ان کا حمل کیا جائے گا، اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا تھا اور اعمال خبیثہ کے سبب انہوں نے حق سے تجاوز کیا تھا، اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اس قسم کے لوگوں کا نام کافر اور مشرک فرمایا ہے، اس لئے کہ ہم قرآن شریف کو ایسا پاتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کا احوال حکایت کیا ہے تو اس پر کفر اور شرک کا اطلاق کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: **ما جعل الله من بحيرة ولا سائبه** ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولكن الذين كفروا** آخر آیت تک (پس اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے یہ لوگ کافر کہے جائیں گے کہ انہوں نے کذب کا افترا اللہ تعالیٰ پر کیا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں، یہ امور انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید سے اختیار کئے ہیں) اور تیسری قسم حقیقۃ وہی اہل فترت ہیں جو وہ غیر معذب ہیں، اس پر کل علماء کا اتفاق ہے، اسی قسم سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ہیں کہ ان کو زمانہ کے تأخر کی وجہ سے دعوت نہیں پہنچی اور ان کے درمیان اور انبیائے سابقین کے درمیان دوری رہی ہے اور یہ دونوں اس جاہلیت کے زمانہ میں تھے کہ شرق اور غرب میں جہل عام ہوگیا تھا اور جو لوگ شریعت کو پہچانتے تھے وہ مفقود ہو گئے تھے اور دعوت کی وجہ پر تبلیغ دعوت کرنے والے نہیں رہے تھے مگر تھوڑے، چند لوگ علمائے اہل کتاب سے اقطار زمین میں، جیسے شام وغیرہ ملک ہیں ان میں پراگندہ تھے۔ اور ان لوگوں کو سوا مدینہ کے کہیں سفر کا موقع نہیں ملا اور نہ ان کو ایسی دراز عمر دی گئی کہ مطلوب کی جستجو کی ان کو قدرت ہوتی۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ

پردہ نشین تھیں، مردوں کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی تھیں کہ شرائع کا احوال معلوم کرسکتیں۔"
(ص ۹۹ تا ۱۰۳، ج ۱، سیرت محمدیہ ترجمہ مواہب لدنیہ، مترجم عبد الجبار خاں آصفی، (مصدقہ علمائے دیوبند)، مطبوعہ تاج پریس، حیدرآباد دکن ۱۳۴۲ھ)

احیائے والدین اور ان کے ایمان کا تذکرہ کرنے کے بعد امام قسطلانی مزید فرماتے ہیں: "بعض علماء نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین ماجدین کے ایمان کے استدلال میں کلام کو طول دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس عالم کو اس کے قصد جمیل پر ثواب عطا فرمائے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی بعض کتابوں میں کہا ہے کہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس آل کے ساتھ یہ ظن ہے جو آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے مرگئی ہے کہ قیامت کے دن امتحان کے وقت وہ مطیع ہوگی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اکرام کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگی تاکہ جنت میں ان کو دیکھ کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور کتاب الاحکام میں کہا ہے (اور ایسا ہی اصابہ میں ہے) کہ ہم امید کرتے ہیں کہ عبد المطلب اور آپ کے جملہ اہل بیت، ان لوگوں میں جو جنت میں داخل ہوں گے، ایسے حال میں جنت میں داخل ہوں گے جو مطیع ہوں گے، پس وہ نجات پائیں گے (اس لئے کہ وہ شے وارد ہوئی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عبد المطلب حنیفیت اور توحید پر قائم تھے، عبد المطلب نے صلیب اور صلیب کی عبادت کرنے والوں پر تبرا کیا تھا) مگر ابو طالب کو نجات نہ ہوگی کہ انہوں نے زمانہ بعثت کو پایا تھا اور وہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے (جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ اہل نار میں ابو طالب پر عذاب اھون ہے۔ امام سیوطی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس قسم سے ہے کہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین دوزخ میں نہیں ہیں، اس لئے کہ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ابو طالب سے ان پر عذاب نہایت درجہ خفیف (کم، ہلکا) ہوتا کہ آپ کے والدین مرتبہ میں ابو طالب سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ زیادہ قریب ہیں اور ان کا عذر بڑا ہے کہ انہوں نے آپ کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور نہ اسلام ان پر ظاہر کیا گیا، پس

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین کے حق میں دوزخ ممتنع ہے بخلاف ابوطالب کے کہ صادق مصدوق (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خبر دی ہے **انه اهون اهل النار عذابا**۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین اہل نار سے نہیں ہیں، اہل اصول کے نزدیک اس کا نام دلالۃ الاشارہ ہے۔''

(ص ۱۰۴۔۱۰۵، مواہب لدنیہ، ج ۱)

قارئین کرام! علماء اسلام نے کتاب وسنت کی روشنی میں جو تفصیل بیان کی اس کا خلاصہ آپ کے سامنے ہے، اگر تمام کتابوں سے مکمل تفصیل نقل کروں تو تکرار سے طوالت اور کتاب کی ضخامت بہت بڑھے گی۔ اس فقیر نے اس نازک ترین مسئلے کو مجموعی طور پر کسی قدر نقل کر دیا ہے۔ اس مسئلے کے بعد عقیدت کے قلم سے ان ائمہ کے اقوال میں سے انہی کے نتائج کے ساتھ کچھ مزید پیش کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان ونجات کے قائل ہیں۔ قارئین اور اہل علم غور سے اس کا بھی مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ قول حق اور راجح کون سا ہے؟ **والحق احق ان يتبع، والله الهادى الى صراط المستقيم بحرمة النبى الكريم، صلى الله عليه وعلى آله واصحابه و بارك وسلم اجمعين۔**

فقیر! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ رحمۃ للعالمین و علی آبائہ و امہاتہ و اہل بیتہ و اصحابہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب کریم حضور پُرنور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ''**محمد**'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا ہے۔ اس مبارک نام کے معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کیا گیا، جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ ہم بلاخوف تردید پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نام ہی بتارہا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی بلاشبہ تعریف ہی کے لئے تخلیق ہوئی ہے۔ صرف مخلوق ہی نہیں، خود خالق کائنات اپنے اس حبیب کی تعریف فرماتا ہے۔ چناں چہ بخاری شریف میں امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ (المتوفی ۹۳ھ) کا قول نقل فرمایا ہے کہ آیت درود وسلام میں **ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبی** سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف فرماتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید قرآن کریم میں ''برھان'' فرمایا ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی دلیل بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ دلیل کسی دعوی کی ہوتی ہے اور دلیل کی خوبی وعمدگی، دعوی کی خوبی وعمدگی کو ثابت کرتی ہے، اگر دلیل میں کمزوری ہو تو اس سے دعوی کمزور ہوتا ہے، یوں ہم جان سکتے ہیں کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات پر دلیل بنایا ہے اسے اللہ کریم نے محاسن وکمالات کا پیکر بنایا اور بے عیب پیدا فرمایا ہے، چناں چہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۴ھ) فرماتے ہیں۔

و احسن منک لم ترقط عینی ‏ ‏ ‏ ‏ واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب ‏ ‏ ‏ ‏ کانک قد خلقت کما تشاء

(دیوان حسان بن ثابت، ص ۱۳۔ مطبوعہ بیروت)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت حسان بیان کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ سے بڑھ کر اچھا میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے بڑھ کر جمال والا کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب و نقص سے بالکل پاک پیدا ہوئے ہیں، کچھ ایسے کہ جیسا خود آپ نے پیدا ہونا چاہا۔

بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس ہستی کو اللہ کریم نے اپنا محبوب و مطلوب بنایا ہے وہ ہستی یقیناً ہر طرح عمدہ و اعلیٰ ہے ورنہ (معاذ اللہ) کسی کو زبان اعتراض دراز کرنے کی جرأت ہوتی اور اعتراض اللہ تعالیٰ پر ہوتا۔ اور اللہ کریم کے بارے میں واضح ارشاد مبارک ہے کہ **ان اللہ جمیل یحب الجمال** بے شک اللہ تعالیٰ خوب ہے اور خوبی ہی کو پسند رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہو کر بے عیب ہے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے بے عیب بنایا ہے تا کہ اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے والا اندازہ کر لے کہ جس کے دعوی کی یہ دلیل ہے وہ خود کس قدر مرتبت و عظمت والا ہے۔

ہم پر واضح ہو گیا کہ اللہ کریم کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے احسن و اجمل اور اشرف و اکرم ہیں۔ اللہ کریم جل شانہ نے انہیں ہر طرح عمدہ و اعلیٰ اور مثالی بنایا، وہ حسب و نسب میں بھی سب سے عمدہ ہیں، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ توبہ کی اس آیت **لقد جاء کم رسول من انفسکم** کو فا کے زبر سے قرأت فرمایا (پڑھا) اور فرمایا کہ "میں نسب (خاندان) و حسب (بزرگی) وصہر (نکاح کے رشتے) میں تم سب سے نفیس ترین ہوں اور میرے تمام باپوں میں حضرت آدم (علیہ السلام) تک کوئی زانی (حرام کاری کرنے والا) نہیں ہوا۔ سب نے نکاح کیا، یعنی وہ سب کے سب حرام کاری سے پاک تھے۔" (خصائص کبریٰ، ص ۳۸، جلد ۱۔ السیرۃ الحلبیہ، ص ۶۸ / ۱، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت۔ طبقات ابن سعد، ص ۶۱ / ۱)۔ رشتے ناتوں میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر و اعلیٰ ہیں، چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود منبر انور پر جلوہ گر ہو

کرفرماتے ہیں:

''میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ ہوں (شیبة الحمد) عبدالمطلب کا بیٹا، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے بہترین میں کیا پھر (انسانوں) کے دو گروہ بنائے (عرب وعجم) تو مجھے ان کے بہتر کردہ گروہ (عرب) میں کیا پھر اس گروہ کے چند قبائل بنائے تو مجھے ان کے بہترین خاندان (بنی ہاشم) میں کیا پس میں بہترین ہوں ذاتی اور خاندانی طور پر ان سب سے۔'' (ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳۔ رسائل تسع، ص ۳۳۔ سبل الہدیٰ والرشاد ص ۲۳۰/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۰/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۶/۱۔ الانساب، ص ۲۵/۱۔ مطبوعہ دارالفکر، بیروت۔ تاریخ الاسلام، ذہبی جلد سیرۃ النبویہ، ص ۲۲، مطبوعہ دارالکتاب عربی، بیروت۔ خصائص کبریٰ، ص ۳۸/۱۔ مسند الفردوس، ص ۴۱/۱۔ کنز العمال ۳۱۹۴۸، ص ۱۸۷/۱۱، ص ۱۹۱/۱۱۔ نشر الطیب از تھانوی ص ۱۴)

مسلم شریف، ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف میں ہے: حضرت واثلہ بن الاسقع (المتوفی ۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرمایا'' بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ (منتخب) فرمایا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔'' (ص ۵۱۱۔ نشر الطیب، ص ۱۵۔ الدر المنظم، ص ۱۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۰۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۳۰/۱۔ رسائل تسع، ص ۳۲۔ سیر اعلام النبلاء ص ۱۸/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۶۵/۱۔ معجم الشیوخ ذہبی، ص ۲۴۲، حرف العین۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۳/۱۔ الانساب ص ۲۶/۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۲۰/۱۔ خصائص کبریٰ، ص ۳۸/۱۔ کنز العمال ۳۱۹۸۰، ص ۱۹۰/۱۱۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص ۱۳۳/۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

دیلمی میں ہے، امیر المومنین خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم (المتوفی ۴۰ھ)

فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سب آدمیوں سے بہتر عرب ہیں اور سب عرب سے بہتر بنو قریش اور سب قریش سے بہتر بنی ہاشم ہیں۔'' (کنز العمال، ص ۴۰/۱۱)

بخاری شریف میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں ہر قرن وطبقہ میں بنی آدم کے بہترین طبقوں سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس طبقہ میں آیا جس میں سے پیدا ہوا۔'' (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۳۵/ ا۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۵/ ا۔ الدر المنظم، ص ۱۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۲۵/ ا۔ خصائص کبریٰ، ص ۳۸/ ۱)

ابن عساکر میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۴۳ھ) سے روایت ہے: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''قریش برگزیدہ خدا ہیں۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے قریش کو ایسی سات باتوں سے فضیلت (بزرگی) دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو عطا ہوئیں نہ ہی ان کے بعد کسی کو عطا ہوں۔ ایک تو یہ کہ میں قریش سے ہوں (اور یہ نسبت تمام فضائل سے ارفع واعلیٰ ہے) اور انہی میں خلافت اور کعبۃ اللہ کی دربانی اور حاجیوں کا سقایہ (ان کی میزبانی و مہمانی) اور انہیں اصحاب فیل (ہاتھی والوں) پر نصرت (فتح) عطا کی اور انہوں نے دس برس اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا کی کہ ان کے سوا روئے زمین پر اور کسی خاندان کے لوگ اس وقت عبادت نہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک سورت قرآن کریم میں اتاری کہ اس میں صرف انہیں کا ذکر فرمایا اور وہ سورۃ لایلاف قریش ہے۔'' (طبرانی کبیر، المستدرک، بیہقی، بخاری فی التاریخ، سبل الہدی والرشاد، ص ۲۳۳/ ا۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۰/ ا۔ کنز العمال ۳۳۸۱۵، ص ۱۳/ ۱۲۔)

ابن سعد روایت کرتے ہیں عبید اللہ بن عمیر سے (مرسلا) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے عرب کو پسند فرمایا پھر عرب سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے اولاد عبدالمطلب کو اور عبدالمطلب کی اولاد سے مجھے۔'' (بیہقی۔طبقات ابن سعد،ص ۲۱/ ۱۔کنزالعمال ص ۲۰۴/ ۱۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے مجھے بھیجا۔ میں زمین کے مشرق ومغرب، نرم وسخت (وادیوں اور پہاڑوں) ہر حصے میں پھرا کوئی گروہ عرب سے بہتر نہ پایا پھر اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھے حکم دیا تو میں نے تمام عرب کا دورہ کیا تو کوئی قبیلہ مضر سے بہتر نہ پایا پھر حکم فرمایا، میں نے مضر میں تفتیش کی تو ان میں کنانہ سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا، میں نے کنانہ میں گشت کیا تو کوئی قبیلہ قریش سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا، میں قریش میں پھرا کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا کہ میں سب سے بہتر نفس (جان) تلاش کروں تو کوئی جان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان سے بہتر نہ پائی۔'' (رواہ الامام الحکیم، دیلمی عن ابن عباس، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۳۶/ ۱۔سیرۃ حلبیہ،ص ۴۳/ ۱۔کنزالعمال ۳۴۰۹۶،ص ۳۹/ ۱۱)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ) فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھ سے جبریل امین نے عرض کی کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب کھنگال ڈالے مگر کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نے پایا، نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر پایا۔'' (طبرانی، دلائل النبوۃ بیہقی،ص ۱۷۶/ ۱۔رسائل تسع سیوطی ص ۳۴۔ ذخائر العقبیٰ،ص ۱۴۔سبل الہدیٰ والرشاد ص ۲۳۶/ ۱۔ خصائص کبریٰ ص ۳۸/ ۱۔ کنزالعمال ۳۱۹۱۰،ص ۱۸۴/ ۱۱)۔ جناب اشرفعلی تھانوی نشر الطیب کے ص ۱۰ پر یہی روایت لکھ کر فرماتے ہیں کہ: ''شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ آثار صحت کے اس متن (یعنی حدیث) کے صفحات پر نمایاں ہیں (کذافی المواہب) ف: حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قول کا اس شعر میں گویا ترجمہ کیا گیا ہے

آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"

طبرانی اور خطیب میں یہ روایات بھی ہیں کہ تعظیم وتکریم کے لئے ہر شخص اپنے بھائی کے لئے اٹھے مگر بنی ہاشم نہ اٹھیں بلکہ ان کے لئے اٹھا جائے۔ (کنزالعمال ۳۳۹۱۰،ص ۲۱ / ۱۲۔تاریخ بغداد ص ۳۰۲ / ۳)

احمد، بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "عرب کی سب عورتوں میں بہتر قریش کی نیک خواتین ہیں اپنے چھوٹے بچے پر سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شوہر کے مال کی سب سے بڑھ کر نگہ بان۔" (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۲۵ / ۱۔ کنزالعمال ۳۴۴۰۸،ص ۲۶ / ۱۲)۔ان روایات سے خاندان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا درجہ ومرتبہ اور بزرگی خوب واضح ہے،مزید ملاحظہ ہو۔

ابن عدی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش قیامت کے دن سب لوگوں سے آگے ہوں گے اور اگر قریش کے اترا جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں انہیں بتا دیتا کہ ان کے نیک کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا ثواب ہے۔" (کنزالعمال ۳۳۸۰۵،ص ۱۳ / ۱۲)

طبرانی کبیر اور دار قطنی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ (ان کان صحیحا): "رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت (سفارش) کروں گا پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ نزدیک ہیں قریش تک پھر انصار پھر وہ اہل یمن جو مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی پھر باقی عرب پھر اہل عجم اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے یعنی اہل بیت رسول سب سے زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔" (ذخائر العقبیٰ، ص ۲۰۔سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۱ / ۱۱۔ کنزالعمال ۳۴۱۴۰،ص ۴۴ / ۱۲۔ مسند الفردوس، ص ۲۳ / ۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۶۔طبرانی ص

۳۲۱ / ۱۲ مطبوعہ داراحیاء التراث۔ تاریخ بغداد ص ۱۷۲ / ۲)

ابن النجار روایت کرتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۶۸ھ) سے کہ:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ جب میں جنت کے دروازوں کی زنجیر ہاتھ میں لوں گا اس وقت عبدالمطلب کی اولاد پر کسی اور کو ترجیح دوں گا؟''

اور یہ مشہور روایت متعدد کتابوں میں محدثین نے نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''ہر تعلق اور رشتہ قیامت کے دن قطع ہو جائے گا سوائے میرے رشتے ناتے کے۔'' (المستدرک، ص ۱۴۲ / ۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۔ کنز العمال ۳۱۹۱۲، ص ۱۸۴ / ۱۱)

توجہ فرمایئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع فرمایا اور منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: ''کیا حال ہے ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دے گی! ہر رشتہ ناتا قیامت میں منقطع ہو جائے گا سوائے میرے رشتے ناتے کے کہ وہ دنیا و آخرت میں جڑا ہوا ہے یعنی وہ کٹنے والا نہیں۔'' (رواہ البزار، رواہ الحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶)

احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ ان کی نسل کو آگ پر حرام فرما دیا ہے۔ یعنی وہ اولاد رسول جو ایمان پر ثابت و قائم رہے گی وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲ / ۱۱)۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۲ھ) سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ (وعدہ) مجھے عطا فرمایا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص ۱۹۔ رسائل تسع، ص ۲۵۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۳ / ۱، ص ۱۱ / ۱۱۔ کنز العمال ۳۴۱۴۴، ص ۴۴ / ۱۲)

عن عبدالله عن النبی قال ان فاطمة احصنت فرجها فحرمها الله وذريتها على النار۔ (ذخائر العقبیٰ، ص ۴۸۔ کنز العمال ۳۴۲۱۵، ص ۵۰ / ۱۲۔ تاریخ

بغداد ص ۲۶۶ / ۳) رسائل لتسع ، ص ۲۵ ،۸۹ میں امام سیوطی علامہ ابن جریر کی تفسیر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت قرآنی **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کے تحت فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا یہی ہے کہ ان کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے ۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ، ص ۲۵۳ / ۱)

غزوۂ احد کا مشہور واقعہ ہے ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہونٹ مبارک زخمی ہوا ، اس سے خون مبارک جاری ہوگیا ، حضرت مالک بن سنان آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ یہ خون مبارک بند کردوں ، فرمایا کیا کروگے ؟ انہوں نے عرض کی آپ اجازت عطا فرمائیے اور پھر دیکھئے ، اجازت ملنے پر وہ لب ہائے اقدس کو اپنے مونھ میں لے لیتے ہیں اور اتنا چوستے ہیں کہ خون رک جاتا ہے ، ان کے مونھ میں خون مبارک تھا ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا اسے پھینک دو ، وہ یہ سنتے ہی گھونٹ بھر جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ آپ کا خون مبارک اور پھینک دوں ! خدا کی قسم ! میں ایسا نہیں کرسکتا ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس خون ان کے جسم میں شامل ہوگیا ، اس محبت وعقیدت اور ادب پر انہیں یہ بشارت ہوئی کہ اگر کوئی کسی جنتی مرد کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس (مالک بن سنان) کو دیکھ لے ۔ ‘‘ (زرقانی ، ص ۲۳۰ ، ج ۴ ۔ الروض الانف ، ص ۱۵۶ ، ۱۶۵ / ۳ ۔ خصائص کبریٰ ، ص ۲۱۸ / ۱ ، ص ۲۵۲ / ۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف خون مبارک جس نے پی لیا یعنی جس کے جسم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک خون چلا گیا اسے دنیا ہی میں جنت کی بشارت (خوش خبری) مل گئی تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا خون ہیں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین ، وہ جنتی کیوں نہیں ؟ اندازہ کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصی نسبت و قرابت کی وجہ سے انہیں کس درجہ مرتبت وسعادت حاصل ہے ۔ سبھی مانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات مبارکہ بھی پاک تھے ، آپ کی خادمہ نے ایک برتن میں رکھا ہوا

آپ کا بول مبارک (پیشاب) بے خبری میں پی لیا، اسے اس سے کوئی بد بو نہیں آئی بلکہ اس نے اس میں مہک اور لذت پائی، اسے امراض سے شفا کی نوید ملی اور برکت نامی کنیز کو جہنم سے بچ جانے کی بشارت عطا ہوئی۔ (مستدرک ص ٦٣ / ٤۔ خصائص کبریٰ ص ٧١ / ١۔ الروض الانف ص ١٦٥ / ٣۔ سیرۃ حلبیہ، ص ٨٥، ٨٦ / ١۔ تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر، ص ٣٠٣ / ٤)

طبرانی اور خصائص کبریٰ میں ہے کہ حضرت سلمیٰ نے نبی کریم ﷺ کے غسل کا پانی پی لیا، فرمایا تجھ پر آتش دوزخ حرام ہوگئی۔ (ص ٢٥٢ / ٢)

اس بارے میں شاید کسی بظاہر نفیس طبع شخص کو ماننے میں دشواری ہو تو اسے جاننا چاہیے کہ ہر مکھی میں پھول کا رس شہد نہیں بنتا کسی میں زہر بنتا ہے اور کسی میں شہد۔ وہ رب جو مکھی میں شہد بنا دیتا ہے وہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے فضلات مبارکہ کو پاک اور برکت والا کیوں نہیں بنا سکتا؟ (اس بارے میں تفصیل کے لئے میرے والد گرامی کی کتاب ''ذکر جمیل'' ملاحظہ فرمائیے۔)

(علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ یہ بات تحقیق کے طالب کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کے فضلات مبارکہ کی طہارت کا مسئلہ جس درجہ میں ہے اور اسے مقیس علیہ ٹھہرایا گیا ہے، مقیس کا حکم بھی اسی درجہ میں ہوگا۔)

نبی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے قدموں کا نشان جائے سجدہ بنا دیا جانا تو قرآن کریم سے ثابت ہے، حضور اکرم ﷺ کی نسبتوں کی فضیلت بخوبی سمجھی جاسکتی ہے۔ (بزرگوں کے آثار وتبرکات کے حوالے سے تفصیل میری کتاب ''مزارات وتبرکات اور ان کے فیوضات'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ٩٣ھ) کے حوالے سے مشہور واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک دسترخوان تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک پونچھے تھے،

انہیں جب کبھی وہ دسترخوان صاف کرنا ہوتا تو وہ اسے آگ میں ڈال دیتے، آگ اسے جلاتی نہیں تھی، بالکل صاف (ڈرائی کلین) کر دیتی تھی۔ (خصائص کبریٰ ص، ۸۰ / ۲)
جس دسترخوان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ چھولیا وہ آگ میں نہیں جلتا تو اہل ایمان یہی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور اولاد کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہیں دنیا و آخرت میں آگ سے کوئی تعلق ہوگا؟

اگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آگ نے دسترخوان کو کیوں نہیں جلایا؟ تو قرآن حکیم سے یہ الجھن دور کر لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے کیوں نہیں جلایا؟ یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا کیا ہے، اس نے آگ کو جلانے سے منع فرما دیا یا یہ کہ آگ سے جلانے کی صلاحیت اس وقت سلب کر لی۔ اللہ تعالیٰ اس دسترخوان کو بھی آگ سے کیوں نہیں بچا سکتا جسے اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوا ہو؟ اور صحابہ کرام کا عقیدہ و عمل ملاحظہ ہو کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مس ہو جانے والی اشیاء کو کس قدر محترم اور بابرکت جانتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ اور امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں اور مولانا روم نے مثنوی میں اس کو خوب بیان کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل کی تین حرمتیں ہیں جو ان کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دین و دنیا محفوظ فرمائے گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دین و دنیا کی حفاظت نہیں فرمائے گا۔ ایک اسلام کی حرمت، دوسری میری حرمت اور تیسری میری قرابت کی حرمت۔'' (طبرانی، ابن حبان، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۹ / ۱۱)

دیوبندی وہابی نہایت نامناسب انداز میں کہتے اور لکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے، وہاں کے لئے اپنی بیٹی سے بھی فرمایا کہ میں وہاں تمہارے کام نہیں آؤں گا یا تمہارا میری بیٹی ہونا تمہیں نفع نہیں دے گا

وغیرہ وغیرہ۔ (معاذ اللہ)

جواب میں اس حوالے سے آپ احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں، احادیث و روایات کے مطابق یہ بھی بیان ہے کہ حافظ قرآن، حاجی، مجاہد اور عالم دین قیامت کے دن شفاعت کریں گے، معصوم بچے شفاعت کریں گے، اس کے باوجود رسول کریم ﷺ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ (معاذ اللہ) ان کی نسبت نفع نہیں دے گی، یہ کتنی احمقانہ بات ہے۔ امام سیوطی نے رسائل تسع، ص ۲۶ میں اور سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳ / ۱۱ میں امام صالحی نے اس اعتراض کا جواب حدیث شریف سے پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **مابال اقوام یزعمون ان رحمی لا ینفع الخ** کیا حال ہے ان لوگوں کا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہیں دے گی...... میں ضرورت شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول ہوگی۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۴ / ۱ اور ص ۴ / ۱۱ میں طبرانی اور معجم الزوائد کے حوالے سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **ما بال اقوام یزعمون ان شفاعتی لاتنال اھل بیتی وان شفاعتی لتنال حاء و حکم (قبیلتان)**۔ (کیا حال ہے ان لوگوں کا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہل بیت (گھر والوں) کو نہیں پہنچے گی؟ اور میری شفاعت ضرور پہنچے گی حاء و حکم (قبیلوں) کو بھی)۔ الانساب، ص ۳۰ / ۱، میں بھی یہ روایت درج ہے۔

یہ حدیث شریف بھی ملاحظہ فرمائیں: ''رسول کریم ﷺ نے فرمایا: چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی، اللہ انہیں لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا قبول ہے (یعنی اس لعنت میں شک نہ کیا جائے) پہلا شخص کتاب اللہ میں بڑھانے والا (جیسے رافضی کچھ پارے زیادہ بتاتے ہیں)، دوسرا تقدیر الٰہی جھٹلانے والا، تیسرا جو ظلم کے ساتھ تسلط کرے، جسے خدا نے ذلیل بنایا اسے عزت دے اور جسے عزت والا بنایا اسے ذلیل کرے، چوتھا حرم مکہ کی بے حرمتی کرنے والا، پانچواں میری عترت کی ایذا و بے عزتی روا رکھنے والا اور چھٹا وہ جو میری

سنت کو برا ٹھہرا کر چھوڑے۔'' (ترمذی، حاکم، طبرانی) احادیث میں واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے رشتے ناتوں کے سوا تمام تعلق منقطع ہو جائیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا اور فرمایا کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ اس کے بعد قرابت رسول کا خیال نہ کرنا اور نسبت رسول کا احترام نہ کرنا کتنا سنگین جرم ہے۔

نسبت کا احترام قرآن سے سمجھئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار گرتے دیکھی تو اسے مرمت کر کے درست کر دیا، اس علاقے کے لوگوں نے حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کی مہمانی سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ لوگ تو کھانا کھلانے کے روادار نہیں اور آپ (خضر علیہ السلام) بغیر اجرت کے ان کی دیوار درست کر رہے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ چھپا ہوا ہے جو ایک صالح (نیک) مرد کی اولاد ہیں۔ مفسرین کا فرمان ہے کہ وہ نیک باپ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام سے ان یتیموں کی مدد کروائی وہ ان بچوں کا سات پشتیں پہلے گزر جانے والا باپ تھا یعنی ایک نیک شخص کی کئی پشتوں بعد کی اولاد پر اللہ کریم اتنی مہربانی فرماتا ہے تو رسول کریم ﷺ کی نسبت کی برکت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ابن ماجہ میں تو یہ روایت بھی ہے کہ اولیاء اللہ سے دوزخی قیامت میں ملیں گے تو انہیں یاد کروائیں گے کہ دنیا میں انہوں نے اس (ولی اللہ) کو پانی پلایا تھا، وضو کا پانی دیا تھا، اتنے پر ہی وہ ولی اللہ اس کی شفاعت (سفارش) کرے گا اور اس طرح اسے بخشش دلائے گا۔ (شوق وطن، ص ۶۷، از تھانوی، علاوہ ازیں کتاب ''فضائل صدقات'' حصہ دوم، ص ۳۱۱ میں جناب محمد زکریا کاندھلوی نے ایسی متعدد احادیث نقل کی ہیں۔)

اس تفصیل سے اہل ایمان کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ لوگ جو نسبت و قرابت رسول

ﷺ کا احترام نہیں کرتے اور رسول کریم ﷺ کے والدین یا اولاد کے بارے میں اپنی زبان و قلم کو گستاخانہ اور منفی پیرائے میں دراز کرتے ہیں، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ وہ گستاخ لوگ جو رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں طعن و تشنیع اور بے ادبی و گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں توبہ کر کے خود کو اس سنگین جرم سے پاک کرنا چاہئے ورنہ دنیا و آخرت کا خسارا اور عذاب ہی وہ اپنے لئے ذخیرہ کریں گے۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ اپنے نسب وحسب میں بھی سب سے اولیٰ و اعلیٰ اور مخلوق میں سب سے بالا و والا ہیں۔ کچھ اہل علم کہلانے والوں نے بھی رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان و اسلام کے حوالے سے نصوص میں تعارض کی وجہ سے شدید اجتہادی غلطی کرتے ہوئے نامناسب کلام کیا ہے، بعض نصوص کے ظاہر سے ان اہل علم کو مغالطہ ہوا۔ قارئین نے مذکورہ ارشادات سے بخوبی جان لیا کہ وہ مقدس ماں باپ جن کے صلب و شکم اقدس میں رسول کریم ﷺ رہے وہ پاک وطیب اور نہایت مبارک ہیں، اس تفصیل کے باوجود مزید حقائق ملاحظہ ہوں۔

ایک بزرگ کے پاس ایسے ہی ایک صاحب گئے اور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں بدکلامی کی، ان بزرگ نے انہیں انگور پیش کئے اور کہا کہ یہ انگور کھائیے اور ایک بات پر توجہ فرمائیے وہ یہ کہ یہ انگور کیکر کے درخت میں لگے ہیں۔ وہ صاحب، بے ساختہ کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیکر کے درخت میں انگور نہیں لگ سکتے۔ بزرگ مسکرائے اور فرمایا، بھائی خود ہی سوچئے۔ کیکر کے درخت میں انگور نہیں لگ سکتے تو مشرک پلید وجود سے اللہ کا مقدس و مطہر نبی کیسے جنم لے سکتا ہے؟

ہم چار پیسے کا دودھ کسی ناپاک اور گندے برتن میں نہیں ڈالتے تو اللہ تعالیٰ اپنا مقدس حبیب، اپنا پاک نور کیسے ناپاک وجود میں رکھ دیتا؟ مشہور روایتوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لباس پر بھی مکھی نہیں بیٹھتی تھی کیوں کہ مکھی نجاست پر بھی بیٹھ جاتی ہے تو اللہ کریم

نے اسے اپنے محبوب کے لباس پر بیٹھنے ہی نہ دیا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کے لباس تک پر نجاست پر بیٹھنے والی مکھی نہ بیٹھنے دی جائے اس محبوب کو ناپاک وجود میں کیسے رہنے دیا جاسکتا ہے؟

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مومن وموحد ہونے کا صریح انکار اوران کی بے ادبی خود منکرین کے ایمان کے لئے مسئلہ ہوسکتی ہے۔ یہ لوگ غیر مسلموں کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع گویا خود فراہم کرتے ہیں۔ ایمان اورعقیدت ومحبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کے مومن وموحد ہونے میں کسی مومن کو شبہ تک نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی منقول دلیل نہ بھی ہوتی تو بھی ایمان اورعقیدت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بغیر دلیل کے بھی ایمان ابوین کریمین کا اقرار واعتراف کریں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ) نے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں مولانا سید محمد عبدالغفار شاہ قادری کے رسالہ ''ہدایۃ الغوی فی اسلام آباء النبی (ﷺ)'' کی تصدیق اورانہی کے ایک سوال کے جواب میں بعنوان ''شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام'' ۱۳۱۵ھ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، اس رسالہ میں سب سے پہلی دلیل نقل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی، اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: **ولعبد مومن خیر من مشرک**۔(۲/ ۲۲۱) بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

یعنی کوئی کافر اگرچہ اپنی خاندانی حیثیت میں کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو وہ کسی غلام مسلمان سے بھی اچھا اور بہتر نہیں ہوسکتا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد،ص ۱۵۶/ ۱) اور بخاری شریف میں موجود حدیث شریف بیان ہوچکی کہ رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہترین سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ اور شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حدیث میں ہے کہ روئے زمین پر ہر زمانے

میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۶ / ۱۔ رسائل تسع، ص ۳۶)۔ آیت قرآنی اور ان احادیث کے مطابق واجب ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام باپ اور مائیں ہر قرن اور طبقے میں انہیں صالح و مقبول بندوں میں سے ہوں، ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کریم میں اللہ پاک جل شانہ کے ارشاد کے مخالف ہوگا (رسائل تسع ص ۹۴۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۶ / ۱) یعنی اپنی قوم کا اچھا خاندانی یا قوم کا سردار کافر بھی شرعاً اس بات کا مستحق ہی نہیں کہ اسے ''خیر القرن'' کہا جاسکے خصوصاً جب کہ صالح مسلمان موجود ہوں، اس دلیل کو حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسائل تسع، ص ۳۱ میں بیان فرمایا ہے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ دوسری دلیل یہ نقل فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے: انما المشرکون نجس۔ (سورہ توبہ آیت ۲۸) کہ کافر تو ناپاک ہی ہیں۔ اور یہ حدیث شریف بیان ہو چکی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں منتقل فرماتا رہا اور یہ حدیث بھی کہ میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاکیزہ بی بیوں کے شکموں میں منتقل ہوتا رہا اور یہ حدیث بھی کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۶ / ۱۔ رسائل تسع، ص ۱۷۹۔ خصائص کبریٰ، ص ۳۹ / ۱)۔ اس سے بھی یہ واضح ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام باپ اور مائیں پاک اور اہل ایمان و توحید ہوں کیوں کہ کسی کافر و کافرہ کے لئے قرآن کریم کی تصریح کے مطابق کرم و طہارت سے حصہ نہیں۔ اس دلیل کو امام فخر الدین رازی، امام جلال الدین سیوطی، امام ابن حجر مکی، علامہ علی بن برہان اور علامہ زرقانی نے بیان کیا۔ (رسائل تسع، ص ۳۰)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک دلیل یہ نقل فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں ہے:

رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے بارے میں فرمایا کہ میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ "دوزخیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔" (سیر اعلام النبلاء، ص ۱۵۹/ ۱۔ رسائل تسع، ص ۶۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۷۷/ ۱)۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی یہ احادیث لکھ کر فرماتے ہیں کہ ابو طالب ہمارے نبی پاک ﷺ کا چچا تھا اور نبی پاک ﷺ سے جو قرب ان کے والدین کو ہے وہ ابو طالب کو نہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین تو نبی پاک ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل ہی دنیا سے پردہ فرما چکے تھے، انہیں تو دعوت ایمان و اسلام بھی نہیں پہنچی (سبل الہدی والرشاد، ص ۲۴۹/ ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۷۷/ ۱) جب کہ ابو طالب کو خود نبی کریم ﷺ نے بار بار کلمہ پڑھنے کو فرمایا یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا کہ میرے کانوں ہی میں کہہ دو مگر انھوں نے نہ پڑھنا تھا، نہ پڑھا، اس کے باوجود حضور نبی کریم ﷺ کو ابو طالب سے طبعی محبت اور ان کی رعایت منظور تھی کیوں کہ فرمان نبوی کے مطابق چچا آدمی کا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے تو نبی پاک ﷺ پر ابو طالب کا سراپا آگ میں غرق ہونا گراں گزرا اور آپ نے ان پر مہربانی فرمائی اور ان سے عذاب کو کم کر دیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابو طالب نے ہمارے نبی پاک ﷺ کی بہت خدمت کی تو قرآن حکیم میں ہے: **وقدمنا الی ماعملوا من عمل فجعلنه هباء منثورا**۔ (سورہ فرقان آیت نمبر ۲۳) کہ کافر کے سب عمل برباد ہیں، ان کے عمل کا تو یہ حال تھا کہ انہیں آگ میں غرق پایا، اگر عمل نے نفع دیا ہوتا تو وہ پہلے ہی ان کے کام آتا مگر نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا، میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف نبی کریم ﷺ کی ان پر مہربانی ہے۔

یہ لکھ کر فاضل بریلوی فرماتے ہیں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ پر ابوطالب کا عذاب میں غرق ہونا اتنا گراں گزرتا ہے تو ان کے سگے ماں باپ (معاذ اللہ) اگر عذاب میں ہوتے تو کتنا گراں گزرتا۔ اور حضور اکرم ﷺ کو اپنے والدین سے تکلیف دور کروا کے کتنی راحت ہوتی اور ابو طالب کے مقابلے میں اپنے والدین کی رعایت میں حضور اکرم ﷺ کا اعزاز و اکرام زیادہ ہوتا۔ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر والدین کریمین (معاذ اللہ) اہل جنت نہ ہوتے تو وہ اس بات کے بہت زیادہ مستحق ہوتے کہ حضور نبی کریم ﷺ ان کی ہر طرح خوب رعایت اور ان پر نہایت عنایت فرماتے۔ (رسائل تسع، ص ۶۹۔ سبل الھدیٰ والرشاد، ص ۱۲۵/ ۲) اگر کوئی یہ کہے کہ ابو طالب پر مہربانی اس لئے فرمائی کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی یاری و غم خواری اور پاس داری و خدمت گزاری بہت کی، تو یاد رکھنا چاہئے کسی خدمت گزار یا پرورش کنندہ کا حق والدین کے حق سے بڑھنا تو کجا، برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ صرف حمل و وضع حمل کی خدمت کا مقابلہ کون سی خدمت کرسکتی ہے؟ قرآن کریم میں ہے: ان اشکر لی ولوالدیک۔ (سورۂ لقمان آیت نمبر ۱۴) حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

اس تفصیل سے واضح اور ثابت ہوا کہ ابو طالب سے ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے والدین کریمین کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یہی بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین ہرگز اہل نار سے نہیں وہ بلاشبہ اہل جنت سے ہیں ورنہ ان سے عذاب کی دوری کا ذکر ضرور ہوتا۔

☆ قارئین کرام! شاید آپ خیال فرمائیں کہ یہ سوال ہی کیوں ہوا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین مومن ہیں؟ عرض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً پچیس برس کی عمر میں اس دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد، ص ۲۵۰/ ۱۔ خصائص کبریٰ، رسائل تسع، ص

۱۷۶۔تاریخ مدینۃ دمشق،ص ۷۷ / ۱۔طبقات ابن سعد،ص ۹۹ / ۱) نبی پاک ﷺ کی ظاہری عمر شریف پانچ چھ برس کی ہوئی تو والدہ محترمہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقریباً بیس برس کی عمر مبارک میں وفات شریف ہوگئی (یعنی ان مبارک ہستیوں نے بہت مختصر دنیوی ظاہری عمر پائی)۔ اعلان نبوت، نبی پاک ﷺ نے چالیس برس کی اپنی ظاہری عمر شریف میں فرمایا۔سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والے لوگوں یا نومسلم افراد نے شاید اپنی معلومات وآگہی کے لئے یہ سوال کیا ہوگا کہ اعلان نبوت سے قبل بھی اہل ایمان تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کا ایمان کیا تھا؟ علاوہ ازیں کچھ شر پسندوں نے گستاخانہ باتیں کرنا شروع کردی تھیں اس لئے علمائے اسلام نے اس بارے میں حقائق بیان کئے۔

بعض علمائے اسلام نے کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کیا کہ دونبیوں کے درمیانی عرصہ کو''فترۃ'' کہتے ہیں،یعنی ایک نبی اللہ کی نبوت کا عرصہ تمام ہوجانے کے بعد دوسرے نبی اللہ کے ظہور تک کی مدت،فترت کہلاتی ہے۔(رسائل تسع،ص ۲۴،۲۸،۱۲۹)۔اہل فترت کے بارے میں علمائے اسلام نے جوکچھ بیان فرمایا اس کی کچھ تفصیل آپ مقدمہ میں ملاحظہ فرماچکے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ اہل فترت کو ایمان کا مکلّف نہیں بنایا گیا کیوں کہ ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔

ان علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** (سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵) اور ہم نہیں کرتے کسی کو عذاب جب تک ان میں رسول نہ بھیجیں،یعنی کسی قوم یا طبقے میں اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا اور قوم نے اسے نہ مانا تو اس سے پہلے اس قوم پر عذاب نہیں کیا جاتا،عذاب اسی وقت ہوا جب قوم نے نبی کے ساتھ کفر کیا اور تعلیماتِ الٰہیہ کو مسترد کردیا۔ وہ علماء فرماتے ہیں،غور کیجئے کہ رسول کریم ﷺ کی ولادت سے قبل سب سے قریب زمانے میں ہونے والے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں،ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔اس مدت کو تقریباً چھ سو برس

ہو چکے تھے، اس عرصے میں ان پر نازل ہونے والی کتاب ''انجیل'' اپنی اصل میں باقی نہ رہی تھی، اس میں طرح طرح کی تحریفات وغیرہ کی جا چکی تھیں اوران کی امت نے انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا اور ماننا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے، حجاز مقدس کے باشندے ان کی امتِ دعوت میں داخل وشامل بھی نہیں تھے، نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو تبلیغ فرمائی، شاید اس لئے کہ ان کو دعوت دینا ان کی ذمہ داری نہیں تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بھی اہل حجاز کو دعوتِ حق نہیں پہنچائی یعنی تبلیغ نہیں کی، اس لئے حقائق کے مطابق ماننا پڑے گا کہ انہیں دعوت نہیں پہنچی اور نہ ہی انہوں نے کسی نبی اللہ کا انکار وکفر کیا۔ (رسائل تسع ،ص ۲۲، ۲۳،۱۶۷)

اور سیرت حلبیہ ص ۱۷۶/ ۱، میں علامہ علی بن برہان لکھتے ہیں کہ: '' علامہ ابن حجر ہیتمی نے بیان کیا کہ یہ واضح روشن حق ہے جس پر کوئی گرد وغبار نہیں کہ تمام اہل فترۃ نجات یافتہ ہیں اور اہل فترۃ وہ لوگ ہیں جن کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلّف بنائے، پس اہل عرب بنی اسرائیل کے انبیاء کے زمانے میں بھی اہل فترۃ تھے کیوں کہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اہل عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں، ان کا حلقہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔

اور رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں تو کتنی روایات گواہ ہیں کہ وہ دین ابراہیمی پر ثابت وقائم تھے اور بت پرستی یا شرک سے کسی طرح بھی آلودہ نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل تھے اور وہ اپنے اخلاق وکردار اور سیرت میں اپنے زمانے کے ممتاز ترین تھے۔

امام فخر الدین رازی، امام ابن حجر مکی اور امام جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں کہ بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کے آباؤ اجداد کافر ومشرک نہیں ہوتے اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں جتنے انبیاء کرام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں، ان کے سوا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس قدر باپ اور مائیں آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام تک ہیں، ان میں کوئی بھی کافر نہ تھا کیوں کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جاتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپوں اور ماؤں کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہیں، سارے باپ کرام ہیں اور ساری مائیں پاکیزہ ہیں اور آیۃ کریمہ: **و تقبلک فی الساجدین** (سورۂ الشعراء آیت نمبر ۲۱۹) کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ایک ساجد (سجدہ کرنے والے) سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبداللہ و حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پاک و مبارک اور اہل جنت ہیں کیوں کہ وہ تو ان خاص الخاص بندوں میں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چنا (منتخب فرمایا) تھا اور یہی سچا و صحیح قول ہے۔ (رسائل تسع ص ۳۰، ۳۴، ۵۴۔ اعلام النبوۃ، ص ۲۱۵، ۲۳۶، ۲۳۹۔ مسند الفردوس ص ۴۲۳/۱) (اسے سیرت حلبیہ ص ۴۷/۱ میں علامہ علی بن برہان نے بھی نقل فرمایا اور پاکستان کے ممتاز عالم دین جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری نے بھی اپنی کتاب ''ضیاء النبی'' میں نقل کیا)

بیہقی میں روایت ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، بن عبداللہ بن عبدالمطلب، بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان (اکیس پشتوں تک نسب نامہ بیان کر کے فرمایا) کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں آدم (علیہ السلام) سے لے کر اپنے والدین تک خالص اور صحیح نکاح سے پیدا ہوا تو میں میرا نفس کریم

(میری جان) تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں۔"
(رسائل لتسع، ص ۱۷۹۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۴/ ۱۔ الانساب، ص ۲۵/ ۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر، ص ۴۸/ ۳۔ خصائص کبری ص ۳۸/ ۱۔ کنز العمال ۳۱۸۶۴، ص ۱۸۱/ ۱۱۔ اس کو الدر المنظم ص ۱۸، ۲۰ میں علمائے دیوبند کے استاد اور بزرگ شیخ الدلائل نے بھی نقل کیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں، ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔" (طیالسی، ابن سعد، احمد، ابن ماجہ، طبرانی کبیر وابونعیم، دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۳/ ۱۔ الانساب، ص ۲۷/ ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۲۲/ ۱۔ کنز العمال ۳۱۹۷۳، ص ۱۸۹/ ۱۱) اور غزوۂ حنین میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دلدل (خچر) پر سوار یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں، میں بیٹا ہوں عبدالمطلب کا

(رواہ احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابی شیبہ، ابونعیم، ابن عساکر، ابن جریر، سیر اعلام النبلاء ص ۳۴۳/ ۱۔ رسائل لتسع، ص ۱۵۔ تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر، ص ۱۰۷/ ۳۔ جمہرۃ انساب العرب ابن حزم، ص ۵۔ مراۃ الجنان، ص ۴۹/ ۱۔ روض الانف، ص ۱۴۱/ ۴۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۷/ ۱۔ ص ۱۳۳/ ۵۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۶۷/ ۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۲۵/ ۱۔ مسند الفردوس ص ۴۲/ ۱۔ فیض القدیر ص ۳۸/ ۳۔ کنز العمال ۳۲۰۸۲، ص ۲۰۰/ ۱۱۔ تاریخ الاسلام ذہبی ص ۶۲۴ جلد سیرۃ النبویہ)۔

اسی غزوہ کے بارے میں یہ رجز بھی روایات میں ہے کہ فرمایا: انا ابن العواتک۔ میں ان عورتوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔ (دلائل النبوۃ، بیہقی، ص ۱۳۶/ ۵۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۶۷/ ۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۱۰/ ۳۔ مسند الفردوس ص ۴۶/ ۱۔ طبرانی ص

۱۶۹/ ۷۔ کنز العمال ۳۱۸۶۹، ص ۱۸۱/ ۱۱) اور دوسرے مقام پر یہ بھی فرمایا: **انا ابن الذبیحین**۔ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ (اعلام النبوۃ، ص ۲۳۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۰۲/ ۱، ۳۲۳/ ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۵۹/ ۱)

ان احادیث کو قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں سمجھئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون** (سورہ المنافقون آیت نمبر ۸)۔ فرمایا: **انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح** (سورہ ہود آیت نمبر ۴۶) (اے نوح) یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو ناراستی کے کام والا ہے۔)

ان آیات کریمہ سے معلوم اور ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت وتکریم کو مسلمانوں میں منحصر فرما دیا یعنی ان سے خاص کر دیا اور کافر کو خواہ وہ اپنی قوم کا کتنا ہی بڑا ہو، اسے لئیم و ذلیل ٹھہرایا اور کسی ذلیل ولئیم کی اولاد سے ہونا کسی معزز اور کریم کے لئے فخر وتعریف کا باعث نہیں، لہٰذا کافر ومشرک باپ دادوں کی نسبت سے فخر کرنا حرام ہوا، چناں چہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”جو شخص عزت وبزرگی چاہنے کے لئے اپنی نو کافر پشتوں کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ (ان سے نسبت بیان کرنے والا) شخص ہو۔“ (مسند احمد، بیہقی، رسائل تسع، ص ۵۲) یعنی کافر باپ کی نسبت سے فخر کرنے والا خود کو جہنمی بنا لیتا ہے اور قرآن ہی نے مسلم وکافر کا نسب قطع فرما دیا جیسا کہ نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فضائل میں بارہا اپنے آباء وامہات کا ذکر فرمایا، جب کفار سے نسب بحکم رب العالمین واحکم الحاکمین منقطع ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے، یہ واضح کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ یقیناً کافر نہیں۔

رسائل تسع میں امام جلال الدین سیوطی، علامہ امام ابن حجر کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ: یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی کا کسی سے بہتر ہونا، اللہ تعالیٰ کا کسی کو چننا (منتخب کرنا) اور

کسی کو پسند فرمانا اور اس کی بارگاہ میں کسی کی افضلیت اس کے مشرک ہونے کے باوجود نہیں ہوسکتی یعنی کوئی مشرک یا مشرک سے نسبت کی وجہ سے کوئی ہرگز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہوسکتا۔'' (ص ۳۴)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے رسالہ میں ایک دلیل یہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ**۔(سورہ الانعام آیت نمبر ۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔ اس آیت سے گواہی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وضع رسالت کے لئے سب سے زیادہ محترم و معزز موضع (مقام) کا انتخاب فرمایا ہے اور اس نے کبھی رذیلوں اور پست لوگوں میں رسالت نہ رکھی تو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ کفر و شرک سے زیادہ ناپاک شئے کیا ہوگی؟ وہ کہاں اس لائق کہ ان میں اللہ تعالیٰ نورِ رسالت رکھے، کفار و مشرک تو لعنت و غضب کا محل ہیں جب کہ نور رسالت کو رضا و رحمت کا محل درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک نور کسی کفر و شرک والے وجود میں رکھنا کیسے پسند فرماتا!

اہل ایمان نے اس مزید تفصیل سے بخوبی جان لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان میں شک و شبہ کرنا جب کہ کوئی قطعی اور صحیح و صریح دلیل بھی نہیں تو زبان و قلم سے کوئی گستاخی کرنا شدید غلطی اور سنگین معاملہ ہے جو ایذائے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا موجب ہے۔ علمائے اسلام نے واضح فرمایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے حوالے سے زبان و قلم کو نہایت احتیاط لازم ہے کیوں کہ اس باب میں بے احتیاطی سے بات کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف و ایذا پہنچانا ہے جس کا نتیجہ و انجام بہت بھیانک اور سخت ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو۔'' یعنی ایک

مسلمان پر گناہ کبیرہ کا الزام لگانے کے لئے دوسرے مسلمان کو اس قدر احتیاط ضروری ہے تو اندازہ کرلیا جائے کہ والدین کریمین کے ایمان کا (معاذ اللہ) انکار اس کی قطعی دلیل کے بغیر کیوں کر جائز ہوگا؟ یہ بھی ملاحظہ ہو، تفسیر احکام القرآن کو یادگار بنانے والے امام قاضی ابوبکر بن عربی سے (جو مالکی مذہب کے اماموں میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، حالاں کہ ایک معاملے میں وہ جو موقف رکھتے ہیں اس کی وجہ سے سخت متنازع بھی ہیں) کسی شخص نے پوچھا۔ ''آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آباء واجداد دوزخ میں ہیں؟ امام صاحب نے یہ جواب دیا کہ جو شخص ایسا کہتا ہے، بلاشبہ وہ ملعون ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا مھینا**۔ (سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۷) (بلاشبہ وہ لوگ جو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اور اس سے بڑھ کر ایذا کیا ہوگی کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کے بارے میں ایسی بکواس کی جائے۔'' (الحاوی للفتاوی، ص ۴۴۲ / ۲۔ مواہب وزرقانی، ص ۲۸۶ / ۱۔ رسائل تسع، ص ۷۵)

میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۴۰۴ھ) اپنی کتاب ''الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین (ﷺ)'' میں امام قاضی ابوبکر کا یہ فتویٰ نقل فرمانے کے بعد ''مواہب لدنیہ'' سے امام قسطلانی اور ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' سے امام شہاب الدین ابن حجر عسقلانی کی نقل کی ہوئی روایت کے مطابق تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ (عبدالرحمٰن) رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''ابولہب کی بیٹی ''سبیعہ'' حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ) لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہے، پس رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگئے اور آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میری قرابت (میرے قریبی رشتہ داروں) کے بارے میں مجھے ایذا پہنچا رہے ہیں، یاد رکھو جس نے مجھ کو ایذا پہنچائی درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی۔" (زرقانی، ص ۱۸۶ / ۱۔ اصابہ، ص ۲۹۷ / ۴۔ رسائل تسع، ص ۱۰۳۔ ذخائر العقبی، ص ۷۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۴۴ / ۱۱) یہ روایت نقل کر کے میرے والد گرامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابولہب قطعی کافر اور دوزخی ہے، اس کی مذمت میں قرآن کریم کی پوری سورت اتری۔ ابولہب کی یہ بیٹی سبیعہ، مومنہ و مسلمہ اور صحابیہ ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، اسے جہنم کے ایندھن کی، دوزخی کی بیٹی کہا گیا یعنی طنز وطعن سے پکارا گیا تو یہ انداز بھی اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث ہوا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر اقدس پر رونق افروز ہو کر فرمایا کہ میرے قرابت داروں کے بارے میں اس قسم کی باتیں کر کے مجھے اذیت نہ پہنچاؤ یعنی میری قرابت کی کسی طرح تضحیک نہ کرو، نہ ہی طعن وتشنیع کا لہجہ اپناؤ۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنتی والدین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بارے میں بدکلامی و بدزبانی کرتا ہے یا گستاخی کرتے ہوئے انہیں (معاذ اللہ) دوزخی کہنے کی شرارت کرتا ہے وہ کس قدر سنگین گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی اذیت پہنچاتا ہے۔

ایک روایت اور پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے۔

حدیث شریف کی مشہور کتاب مسلم شریف میں ہے: "(ابوجہل کے خاندان کے) ہشام بن مغیرہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ اپنی بیٹی کا حضرت علی ابن ابی طالب سے نکاح کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر جلوہ گر ہو کر فرمایا کہ میں انہیں ہرگز اجازت نہیں دیتا اور یہ بات تین مرتبہ فرمائی (پھر فرمایا) ہاں اگر علی ابن ابی طالب یہ پسند رکھتا ہے تو میری بیٹی (سیدہ فاطمہ زہرا) کو طلاق دے اور ان (ابوجہل)

کی لڑکی سے نکاح کرلے کیوں کہ میری بیٹی (فاطمہ) میرے جگر کا ٹکڑا ہے، مجھے بھی اس چیز سے پریشانی ہوتی ہے جو اسے پریشان کرتی ہے اور مجھے بھی وہ چیز اذیت پہنچاتی ہے جو اسے اذیت پہنچاتی ہے۔ (مراۃ الجنان، ص ۵۴ / ۱۔ مسند الفردوس ص ۲۳۲ / ۱۔ کنز العمال ۳۴۲۰۸، ص ۴۹ / ۱۲۔ خصائص کبری ص ۲۵۵ / ۲)۔" دوسری روایت میں رسول کریم ﷺ نے ابو جہل کی بیٹی سے حضرت علی کے نکاح کو منع کرتے ہوئے فرمایا: "بے شک میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا لیکن قسم اللہ تعالیٰ کی، اللہ تعالیٰ کے رسول کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔" (رسائل تسع، ص ۶۷۔ ذخائر العقبی، ص ۳۷۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۶۰ / ۱۔ کنز العمال ۳۴۲۴۷، ص ۵۲ / ۱۲)" اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ابو جہل کی بیٹی اور اپنی بیٹی کا ایک گھر میں جمع ہونا پسند نہیں فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے پاک و مبارک حبیب کا وجود کسی مشرک و کافر وجود میں رہنا کیسے پسند ہوسکتا تھا؟ (اس حدیث کو جناب اشرف علی تھانوی نے بھی "التکشف"، ص ۶۴۸ میں نقل کیا)

میرے والد گرامی علیہ الرحمہ ایک نہایت ایمان افروز استدلال پیش فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو: یہ سب ہی مانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی قبر انور کا وہ حصہ جو آپ کے وجود شریف سے لگا ہوا ہے، وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ (سوانح قاسمی ص ۵۳ / ۱، از نانوتوی۔ میلاد النبی ص ۱۸۸، از تھانوی) غور کیا جاسکتا ہے کہ مٹی کے جس ٹکڑے میں آپ ہوں وہ تو عرش معلیٰ سے بھی افضل ہو جائے اور جن والدین کے صلب و شکم میں رہے ہوں وہ (معاذ اللہ) مشرک و جہنمی کہے جائیں۔ الامان!

"امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "کسی نبی کی والدہ کافرہ مشرکہ نہیں ہوئی تو رسول کریم ﷺ کی والدہ کیسے ہوسکتی ہے؟ اگر ایسا ہو تو یہ آپ کی عظمت و شان کے خلاف ہے نیز حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی مائیں تو جنت میں رہیں اور حضور ﷺ کی

والدہ ماجدہ جنت میں نہ ہوں کیا اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہوگا؟ یقیناً نہیں۔'' (الحاوی للفتاوی، رسائل لتسع، ص ۵۸،۷ ۱۵)

جناب اشرفعلی تھانوی اپنے رسالہ ''جمعہ کے فضائل واحکام'' ص ۴ (مطبوعہ اسلامی کتاب گھر، کراچی) میں لکھتے ہیں کہ ''امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا شبِ جمعہ کا مرتبہ لیلۃ القدر سے بھی زیادہ ہے بعض وجوہ سے، اس لئے کہ اسی شب میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ طاہر میں جلوہ افروز ہوئے اور حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تشریف لانا اس قدر خیر و برکتِ دنیا و آخرت کا سبب ہوا جس کا شمار و حساب کوئی نہیں کرسکتا۔ (اشعۃ اللمعات فارسی، مشکوٰۃ شریف)''

قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی والدہ کے پاک شکم میں منتقل ہوتے ہیں وہ رات، لیلۃ القدر سے بھی افضل ہوجاتی ہے تو کون شبہ کرسکتا ہے اس میں کہ جس پاک شکم میں جلوہ گر ہوئے اسے کس قدر مرتبت وسعادت حاصل ہے۔

میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس سرزمین پر جلوہ گر ہوئے اس کی قسم اللہ تعالیٰ قرآن میں یاد فرماتا ہے، اس شہر مکہ مکرمہ کو کس قدر فضیلت ملی تو ان والدین کریمین کی فضیلت وسعادت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے جن سے میرے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے!

علمائے اسلام نے متعدد قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین کے مومن وموحد اور برگزیدہ ہونے کو ثابت کیا ہے اور اکابر علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت اس پر جمع ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین جنتی ہیں۔ اہل ایمان اہل محبت کو ان کے موحد ومسلمان اور جنتی ہونے میں ہرگز کوئی شبہ نہیں۔ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اپنی کتاب الذکر الحسین میں فرماتے ہیں:۔ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین کے موحد ومسلمان اور جنتی ہونے میں اگرچہ کوئی شبہ نہیں تھا اور روشن دلائل امت کے لئے کافی تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ چاہتے تھے کہ میرے والدین کو بھی میری

دعوت پہنچے، وہ اسے قبول کریں اور میری امت کے برگزیدہ لوگوں میں شمار ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا، چناں چہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دین کی تکمیل کے بعد حضور ﷺ نے مجھے ساتھ لے کر دور کی مسافت طے کی، اس وقت آپ رو رہے تھے اور ملول تھے اور آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ نبی کریم ﷺ مجھے اونٹ پر بیٹھا چھوڑ کر تشریف لے گئے اور کافی دیر وہاں ٹھہرے رہے، جب واپس تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور چہرۂ انور متبسم تھا۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں، جب آپ تشریف لے گئے تھے تو چہرۂ اقدس پر ملال اور آنکھوں میں آنسو تھے اور واپس تشریف لائے ہیں تو خوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں، کیا بات تھی؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ وہ انہیں (میری ماں) کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موت کی طرف لوٹا دیا، دوسری روایت میں دونوں (والد اور والدہ) کا ذکر ہے کہ دونوں زندہ ہوئے اور ایمان لائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔'' (الحاوی للفتاوی، زرقانی، مسالک الحنفاء۔ روض الانف ص ۱۹۵ / ۱۔ ذخائر العقبیٰ ص ۲۵۹، التذکرہ۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲۲ / ۲۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۷۳ / ۱۔ خلاصہ سیر سید البشر، ص ۲۱۔ خصائص کبریٰ، ص ۴۰ / ۲۔ رسائل تسع، ص ۳۷)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسے اپنے رسالہ شمول الاسلام میں نقل فرمایا ہے، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اپنی کتاب ضیاء النبی میں نقل فرمایا ہے۔ نیز فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ میں ان اکابر علمائے اسلام میں سے چند ہستیوں کے نام تحریر فرمائے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مومن و موحد اور جنتی ہونے پر تحریریں یادگار بنائی ہیں۔ ان ہستیوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں:

۱ امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین بغدادی المتوفی ۳۸۵ھ (ان کی دینی علوم پر

تین سوتیس کتابیں ہیں اس کے علاوہ تفسیر ایک ہزار جزء میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جزء میں ہے)

۲ شیخ المحدثین احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی خطیب علی البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ)

۳ حافظ الشان محدث ماہر امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ)

۴ امام اجل ابو القاسم حافظ عبد الرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ (صاحب روض الانف)

۵ حافظ الحدیث امام ابو العباس احمد بن عبد اللہ الحافظ محبّ الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ (ان کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ امام نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) کے بعد ان جیسا علم حدیث میں کوئی نہ ہوا)

۶ امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر المتوفی ۶۸۳ھ (صاحب المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)

۷ امام حافظ الحدیث ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس المتوفی ۷۳۴ھ (صاحب عیون الاثر)

۸ علامہ صلاح الدین صفدی (المتوفی ۷۶۴ھ)

۹ حافظ الشان شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی المتوفی ۸۴۲ (صاحب مورد الصادی فی مولد الہادی)

۱۰ شیخ الاسلام حافظ الشان امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ)

۱۱ امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی ابن العربی مالکی (المتوفی ۵۴۶ھ)

۱۲ امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی بصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ (صاحب الحاوی الکبیر)

۱۳ امام ابوعبداللہ محمد بن خلف ابی مالکی المتوفی ۴۸۵ھ (شارح صحیح مسلم)

۱۴ امام عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ (صاحب تذکرہ)

۱۵ امام المتکلمین فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی (المتوفی ۶۰۶ھ)

۱۶ امام علامہ شرف الدین مناوی (المتوفی ۷۵۷ھ)

۱۷ خاتم الحفاظ مجدد القرن العاشر امام جلال الدین عبد الرحمٰن ابن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)

۱۸ امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی مکی المتوفی ۹۷۴ھ (صاحب افضل القری)

۱۹ شیخ نور الدین علی بن الجزار مصری المتوفی ۹۸۴ھ (صاحب رسالہ **تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفی ﷺ بفضل اللہ تعالیٰ فی الدارین من الناجین**)

۲۰ علامہ ابوعبداللہ محمد بن علی بن ابی شریف حسنی تلمسانی المتوفی ۶۴۴ھ (شارح شفاء شریف)

۲۱ علامہ محقق سنوسی

۲۲ امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ (صاحب الیواقیت والجواہر)

۲۳ علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی المتوفی ۱۰۵۲ھ (صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات)

۲۴ خاتمۃ المحققین علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی مصری المتوفی ۱۱۲۲ھ (شارح المواہب)

۲۵ امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی المتوفی ۸۲۷ھ (صاحب المناقب)

۲۶ زین الفقہ علامہ محقق زین الدین ابراہیم بن نجیم مصری المتوفی ۹۷۰ھ (صاحب

الاشباہ والنظائر)

۲۷ سید شریف علامہ احمد بن محمد حموی المتوفی ۱۰۹۸ھ (صاحب غمز العیون والبصائر)

۲۸ علامہ شیخ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری المتوفی ۹۶۶ھ (صاحب الخمیس فی انفس نفیس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۲۹ علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری المتوفی ۱۰۶۹ھ (صاحب نسیم الریاض)

۳۰ علامہ طاہر فتنی المتوفی ۹۸۶ھ (صاحب مجمع بحار الانوار)

۳۱ شیخ شیوخ علماء الہند مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ

۳۲ علامہ (صاحب کنز الفوائد) (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے صاحب کنز الفوائد کا پورا نام اپنی کتاب شمول الاسلام میں تحریر نہیں فرمایا اس وجہ سے ناقل بھی من وعقل نقل پر مجبور ہے۔ کشف الظنون جلد چہارم کے ص ۲۵۷، ۲۵۸ پر کنز الفوائد نام کی پانچ کتابوں کا تذکرہ ہے، ان کتابوں کے مندرجات دیکھ کر ہی نام کا علم ہوسکتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اسی نام کی کتاب تصنیف کرنے والے نے اسی کتاب میں اس موضوع کو بیان کیا ہو صرف اس کی وجہ شہرت یہ کتاب کنز الفوائد ہوسکتی ہے)

۳۳ مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد المتوفی ۱۲۲۵ھ (صاحب فواتح الرحموت)

۳۴ علامہ سید احمد مصری طحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ (محشی درمختار)

۳۵ علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ (صاحب ردالمحتار) ......اور بہت سے دوسرے (کشف الظنون میں مزید متعدد افراد اور کتابوں کے نام مذکور ہیں)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: (چوتھی اور پانچویں صدی کے مشہور اماموں) امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی وامام اجل امام الحرمین وامام ابن السمعانی وامام کیا ہراسی و امام اجل قاضی ابوبکر باقلانی یہاں تک کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) کی

نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے رسول کریم ﷺ کے تمام آباء وامہات اقدس کا ناجی (نجات یافتہ ہونا) سورج کی طرح روشن وثابت ہے بلکہ بالاجماع تمام ائمہ اشاعرہ اور ائمہ ماتریدیہ سے مشائخ بخارا سب کا یہی مذہب ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین ناجی ہیں۔ کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب **الدرج المنیفه فی الآباء الشریفه** سے نقل فرماتے ہیں ''بہت زیادہ اور بڑے بڑے اماموں کا یہی مذہب ہے کہ ابوین مصطفیٰ ﷺ ناجی ہیں، ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ احادیث سے غافل تھے جن سے اس مسئلہ میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور ان پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے وہ پسندیدہ جواب دیئے جنہیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور اور نجات والدین شریفین پر ایسے دلائل قاطعہ قائم کیے جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے سے نہیں ہل سکتے۔'' (رسائل تسع، ص ۸۵)

☆ قارئین شاید یہ خیال کریں کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما سے کوئی دلیل یا ثبوت ہونا چاہیے تھا جو ان کے مومن وموحد ہونے کو ظاہر کرتا۔ لیجئے اس حوالے سے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

دلائل النبوۃ میں امام ابونعیم، خصائص کبری، ص ۷۹ / ۱ اور رسائل تسع، ص ۵۶ میں امام سیوطی اور زرقانی علی المواہب، ص ۱۶۵ / ۱ میں امام زرقانی نقل فرماتے ہیں: ''حضرت ام سماعہ اسماء بنت ابی رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ اس وقت حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر تھیں جب ان کی وفات ہوئی، نبی کریم ﷺ کی ظاہری عمر شریف اس وقت کوئی پانچ برس کی تھی وہ اپنی والدہ ماجدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے نور نظر ﷺ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

بارک الله فیک من غلام　　　یا ابن الذی من حومة الحمام

نجا بعون الملک المنعام　　　فودی غداة الضرب بالسهام

بمائة من الابل سوام ان صح ما ابصرت فی المنام

فانت مبعوث الی الانام من عند ذی الجلال وا لاکرام

تبعث فی الحل و فی الحرام تبعث با التحقیق والاسلام

دین ابیک البر ابراهام فالله انهاک عن الاصنام

ان لا توا لیها مع الاقوام

”اے ستھرے لڑکے اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت رکھے۔ اے ان (حضرت عبد اللہ) کے بیٹے کے جنہوں نے مرگ کے گھیرے (موت کے پھندے) سے نجات پائی، بڑے انعام والے بادشاہ، اللہ کریم کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربانی کئے گئے۔ اگر وہ ٹھیک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو پھر تو سارے جہان کی طرف مبعوث ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کی طرف سے حل وحرم (مکہ وتمام روئے زمین) سب کو تیری رسالت شامل ہوگی تجھے حق اور اسلام کے ساتھ بھیجا گیا ہے جو تیرے نیک اچھے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ بت پرست لوگوں کے ساتھ انبتوں کی دوستی نہ کرنا، یعنی لوگوں کے ساتھ ہوکر بتوں کو اچھا یا دوست خیال نہ کرنا۔“ (سبل الہدی والرشاد،ص ۱۲۱ / ۲)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طیبہ طاہرہ والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی یہ وصیت، سورج کی طرح روشن ہے اور واضح کرتی ہے کہ وہ موحدہ ومومنہ تھیں۔ توحید اور رد شرک کا بیان اس میں صاف واضح ہے اور اس کے ساتھ ملت ابراہیم اور دین اسلام کا پورا اقرار بھی ہے یہی نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعتراف بھی ہے اور اس کا بیان بھی کتنا عمدہ ہے کہ سب ہی کی طرف مبعوث ہونے یعنی بعثت عامہ کا ذکر فرمایا۔ اہل ایمان بتائیں کہ ایمان کامل اور کسے کہتے ہیں؟

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے بعد فرمایا:

کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی وانا میتة و ذکری باق و قد ترکت خیرا وولدت طهرا۔ (ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا ہے اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن (اسے) فنا ہونا ہے۔ میں موت پاتی ہوں، اور میرا ذکر خیر ہمیشہ رہے گا (کیوں کہ) میں کیسی خیر عظیم (یعنی رسول کریم ﷺ) کو چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ فرمایا اور سیدہ نے انتقال فرمایا۔ **(انا للہ و انا الیہ راجعون)**۔ (سبل الہدی والرشاد، ص۱۲۱/ ۲ ۔ رسائل تسع، ص۵۷، ۱۰۱، ۲۲۹۔ خصائص کبری، ص۷۹/ ۱)۔ **رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہا الکریم و ذویہ و بارک وسلم**

محترم قارئین: آپ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فراست ایمانی اور پیش گوئی پر غور فرمائیں کہ فرماتی ہیں: ''میں جاتی ہوں مگر میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا'' توجہ فرمایئے کہ دنیا میں آنے والی عرب وعجم کی ہزاروں خواتین جو اپنے وقت میں شاہانہ کروفر سے ملکائیں، شہزادیاں شمار ہوئیں، ان کا نام تک کوئی نہیں جانتا، نہ ہی ان کا تذکرہ ہوتا ہے مگر اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی طیبہ طاہرہ والدہ محترمہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر خیر کی سمتوں میں گونج ہے، محافل ومجالس ہوں یا کتابیں وتحریریں، اہل ایمان ان کے ذکر خیر سے شاد ہوتے ہیں، ان کے ذکر خیر کو اپنے لئے سعادت جانتے ہیں اور انشاءاللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

علامہ امام زرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمائے ہوئے اشعار وکلمات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ'' حضرت سیدہ آمنہ کا فرمان اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ بلاشبہ موحدہ تھیں، جب وہ دین ابراہیم کا اور اپنے فرزند دل بند ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے ساتھ بھیجا جانا بیان فرماتی ہیں اور اپنے فرزند کو بتوں سے منع کرتی ہیں اور بتوں سے ہر تعلق سے روکتی ہیں تو اور توحید کیا ہے؟ کوئی اور چیز اس

کے سوا توحید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وحدہ لاشریک معبود (عبادت کے لائق) ہونے کا اعتراف اور بتوں کی پوجا سے بری ہونا۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفر سے پاک ہونے اور موحد ہونے کا اسی قدر ثبوت کافی ہے۔" (زرقانی ص ۱۶۰/ ۱۔ رسائل تسع، ص ۱۵۴۔ سبل الہدی والرشاد، ص ۱۲۶/ ۲) علامہ زرقانی مزید فرماتے ہیں کہ "رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مسلمان ہونے کے مزید گواہ وہ واقعات و دلائل ہیں جو حضرت سیدہ آمنہ نے دوران حمل اور رسول کریم ﷺ کی ولادت کے وقت دیکھے اور مسرت کے ساتھ محبت و عقیدت سے بیان کیے۔

حضرت سیدہ آمنہ کا اس نور کو دیکھنا جو، ان سے نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے دیکھا جو کہ انبیاء کی مائیں دیکھتی ہیں اور جب حضرت حلیمہ آپ (ﷺ) کے شق صدر کے واقعے سے آپ پر آسیب کا گمان کر کے ڈرتی ہوئی آپ (ﷺ) کو واپس لائی تھیں تو حضرت آمنہ نے حضرت حلیمہ سے فرمایا: کیا تم میرے بیٹے پر آسیب (شیطان) کا گمان کرتی ہو؟ اللہ کی قسم ہرگز شیطان اس کے قریب بھی نہیں آ سکتا اور سنو میرے بیٹے کی بڑی خاص شان ہونے والی ہے پھر انہوں نے حضرت حلیمہ کو دوران حمل اور نبی پاک ﷺ کی ولادت کے وقت ظہور ہونے والے واقعات اور اپنے خواب سنائے جن میں بشارتیں تھیں اور اس بارے میں دیگر کلمات فرمائے۔ (رسائل تسع، ص ۱۵۵۔ سیر اعلام النبلاء ص ۴۱/ ۱۔ اعلام النبوۃ و ص ۲۴۹۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۹۳/ ۳۔ الروض الانف، ص ۱۸۸/ ۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۹۰/ ۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۳۵/ ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۵۵/ ۱۔ خلاصہ سیر سید البشر، ص ۲۹۔ خصائص کبری ص ۵۴/ ۱) علاوہ ازیں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنی وفات کے سال مدینہ تشریف لے گئیں تو انہوں نے یہودیوں کو رسول کریم ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت

دیتے ہوئے سنا تھا اور پھر وہ مکہ کی طرف واپس آتے ہوئے راستے ہی میں (وہ اشعار و کلمات جوان کے مسلمان ہونے کا ثبوت ہیں فرما کر) وفات پا گئیں پس یہ تمام باتیں تائید کرتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں بلا شبہ دین حنیف پر تھیں۔''

دلائل النبوت، ص ۱۱۹۔ خصائص کبریٰ، ص ۷۹ / ۱۔ اور طبقات ابن سعد، ص ۱۱۶ / ۱ میں ہے کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کئے ہوئے مدینہ منورہ کے سفر اور وہاں قیام کی باتیں اور یادیں بیان فرماتے کہ میں اس مکان میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ٹھہرا تھا اور اسی گھر میں میرے والد ماجد کی قبر ہے۔ فرمایا کہ ایک یہودی مجھ کو دیکھتا اور میرا پیچھا کرتا، ایک دن اس نے مجھ سے کہا، اے لڑکے تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس نے میری پشت کی طرف (مہر نبوت کو) دیکھا تو میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ہے پھر وہ میرے بھائیوں (بنو نجار) کی طرف گیا تو انہیں یہ خبر دی، انہوں نے میری امی کو بتایا تو وہ میرے معاملہ میں یہودیوں کی دشمنی سے ڈریں اور ہم مدینہ سے چلے گئے۔'' (سبل الہدی والرشاد، ص ۱۲۰، ۱۲۱ / ۱) اسی سفر میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ انہی کتابوں میں ایسا ہی واقعہ ان کی روایت سے بھی ہے۔

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے یہی واقعہ ان حوالوں سے اپنی کتاب ''ضیاء النبی'' میں نقل کیا ہے اور علمائے دیوبند کے استاد اور بزرگ شیخ الدلائل مولانا عبد الحق محدث الہ آبادی نے اپنی کتاب الدر المنظم میں نقل کیا ہے، یہ کتاب کئی علمائے دیوبند کی مصدقہ ہے اور اس کتاب میں وہ تمام روایات مذکور ہیں جو میں نے اپنی اس تحریر میں اصل کتابوں کے حوالوں سے نقل کی ہیں۔ اور جناب اشرفعلی تھانوی نے بھی اپنی کتاب نشر الطیب، ص ۲۵ مطبوعہ دیوبند میں اسے نقل کیا ہے)۔

انہیں کتابوں میں درج یہ روایت بھی ملاحظہ ہو: حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”(ایام حمل میں) خواب میں کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا کیا تمہیں علم ہے کہ تم سید العالمین اور اس امت کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو؟ وہ جب پیدا ہوں تو ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھنا۔“ (اعلام النبوۃ، ص ۲۴۷۔ الروض الانف، ص ۱۸۰ / ۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۱۱ / ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۷۶ / ۱۔ مواہب لدنیہ ص ۵۱ / ۱۔ خصائص کبریٰ ص ۴۲ / ۱) میں ہے کہ ”کہا گیا اور یہ تعویذ ان کے گلے میں ڈال دینا۔“ فرماتی ہیں: میں بیدار ہوئی تو ایک سنہری صحیفہ میرے سرہانے رکھا تھا جس پر یہ اشعار درج تھے

اعیذه بالواحد، من شر کل حاسد، و کل خلق راید، من قائم و قاعد عن السبیل عاند، علی الفساد جاهد، من نافث او عاقد، وکل خلق مارد یاخذ بالمراصد، فی طرق الموارد۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۲۹ / ۱۔ خصائص کبریٰ ص ۴۲ / ۱)

(مواہب لدنیہ، ص ۵۶ / ۱ میں ایسی ہی روایت ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی معجم کبیر سے ابن عباس کی حدیث سے ابونعیم کی روایت نقل کی ہے)۔ سیرت کی کتابوں میں وہ تمام روایات مذکور ہیں جن میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہونے والے واقعات دیکھے جو تمام تر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور عظمت کی گواہی دیتے ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ ان کے فرزند کو کیا شان عطا ہوئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ان کے حوالے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: **انا ابن الذبیحین** (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) اور قارئین یہ بھی ملاحظہ فرما چکے کہ مشرک ماں باپ کی نسبت سے فخر جائز نہیں۔

مزید ملاحظہ ہو: حضرت عبد المطلب کی اولاد میں حضرت عبد اللہ ہی وہ فرزند ہیں جن کی پیشانی میں نور محمدی ﷺ چمکتا تھا، اسی نور کی برکت سے وہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے اور باپ کو سب سے زیادہ پیارے تھے۔ ان کے ذبح ہونے کا واقعہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الذکر الحسین میں سیرت ابن ہشام اور تاریخ کامل ابن اثیر کے حوالے سے یوں نقل فرمایا ہے:

"زم زم کا کنواں عمرو بن حرث جرہمی نے عداوت وحسد کی وجہ سے بند کر دیا تھا حضرت عبد المطلب کے بڑے بیٹے حارث نے اسے دوبارہ کھود کر جاری کیا۔ چاہ زم زم کو کھودنے کے وقت حضرت عبد المطلب نے منت مانی تھی اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ میرے سامنے جوان ہو جائیں تو میں ان میں سے ایک بیٹا اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ باپ کے سامنے جوان ہو گئے۔ حضرت عبد المطلب ایک رات کعبہ معظّمہ کے قریب سو رہے تھے کہ خواب میں کسی نے ان سے کہا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے لئے جو منت مانی تھی اسے پورا کرو۔ خواب سے بیدار ہو کر حضرت عبد المطلب پر گھبراہٹ طاری ہوئی (انہیں منت یاد نہیں رہی تھی) انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کر کے مساکین میں تقسیم کر دیا، دوسری رات انہیں خواب میں کہا گیا کہ مینڈھے سے بڑی چیز قربان کرو، انہوں نے ایک بیل ذبح کیا، تیسری رات حکم ہوا کہ اس سے بھی بہت بڑی قربانی کرو، حضرت نے پوچھا کہ اونٹ سے بھی بڑی قربانی کیا ہو گی؟ کہا گیا تم نے منت مانی تھی کہ ایک بیٹا قربان کرو گے۔ خواب سے بیدار ہو کر غمگین ہوئے۔ اولاد کو جمع کیا، منت کا واقعہ یاد آ گیا تھا، تمام بیان کیا اور نذر پوری کرنے کا عزم بھی ظاہر کیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ وہ کیا کہتا ہے؟ سبھی نے خود کو بخوشی پیش کیا اور اختیار دیا کہ جس بیٹے کو چاہیں قربان کر دیں۔ حضرت عبد المطلب نے اپنے کسی بیٹے کو قربانی کے لئے خود نامزد کرنے کی بجائے قرعہ نکالنے کا طریقہ اختیار کیا تا کہ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، اسی

کا نام نکلے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کر کے قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبد المطلب کو اپنے تمام بیٹوں میں یہی سب سے زیادہ پیارے تھے مگر انہوں نے قدرتی فیصلے کو بخوبی تسلیم کیا اور اس بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور بیٹا بھی سراپا تسلیم و رضا تھا۔ حضرت عبد المطلب نے چھری ہاتھ میں لے لی اور حضرت عبداللہ کو ساتھ لیا کہ اسے قربان کریں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ کے ننھیال کو خبر ہوگئی، وہ رکاوٹ بن گئے۔ قریش کے سرداروں نے بھی حضرت عبد المطلب سے کہا کہ ایسا نہ کریں، اگر آپ نے یہ قربانی کر دی تو آئندہ کے لئے یہ ایک رسم ہو جائے گی جس کے لئے آپ کی یہ قربانی دلیل و حجت ہوگی۔ لہٰذا آپ اپنے رب سے عرض کریں اور خیبر کے علاقہ میں ایک کاہنہ عورت کا کہا کہ اس کے پاس جائیں وہ آپ کو اس معاملے کا حل بتائے گی۔ اس عورت کے پاس لوگ بھجوائے گئے، اس کاہنہ عورت نے تمام واقعہ سن کر کہا کہ تمہارے ہاں جان کی دیت (خون بہا) کیا ہے؟ بتایا گیا کہ دس اونٹ۔ اس عورت نے کہا کہ تم اپنے شہر میں جا کر دس اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ نکالو، اگر قرعہ بنام عبداللہ نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دو اور اسی طرح کرتے رہو یعنی اونٹوں کی تعداد بڑھاتے رہو یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کا نکل آئے، جب اونٹوں کا قرعہ نکل آئے تو سمجھ لینا کہ تمہارا رب راضی ہو گیا ہے اور اس نے اتنے اونٹوں کی قربانی عبداللہ کے بدلے قبول کر لی ہے اور پھر ان اونٹوں کو ذبح کر دینا۔ لوگ خوشی خوشی واپس آئے اور حضرت عبد المطلب کو یہ تفصیل بتائی۔ قرعہ اندازی کی گئی دس اونٹوں سے آغاز ہوا مگر نوے اونٹوں تک نام حضرت عبداللہ کا نکلتا رہا، جب اونٹوں کی تعداد سو کر دی گئی تو نام اونٹوں کا نکل آیا، لوگوں نے کہا اے عبد المطلب اب اللہ راضی ہو گیا ہے، حضرت عبد المطلب نے فرمایا، اللہ کی قسم جب تک تین مرتبہ نام اونٹوں کا نہیں نکلے گا مجھے تسلی نہیں ہوگی، چناں چہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی تو تینوں مرتبہ اونٹوں ہی کا نام نکلا۔ حضرت عبد المطلب نے شکر ادا کیا اور اپنے فرزند عبداللہ کے فدیے میں سو اونٹ قربان کئے اور ان

کا گوشت جانوروں اور پرندوں کے لئے چھوڑ دیا۔'' (اعلام النبوۃ، مؤلفہ علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، ص ۲۳۰ تا ۲۳۲۔ مطبوعہ داراحیاء العلوم، بیروت ۱۴۰۸ھ۔ الروض الانف، ص۱۷۶ تا ۱۷۸۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۸۶، ۸۸، ۹۸ تا ۱۰۱/ ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۵۷، ۵۸/ ۱۔ خصائص کبریٰ ص ۴۵ / ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۸۸ / ۱)

یہ واقعہ لکھ کر حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''اللہ کریم نے حضرت اسماعیل اور حضرت عبداللہ کی قربانی کا بدل قبول فرما کر دونوں کو ذبح ہونے سے بچایا کیوں کہ ان دونوں کی پیشانی میں رسول کریم ﷺ کا نور تھا اور انہی کی نسل سے نبی پاک ﷺ کا ظہور ہونا تھا، یہ اسی نور کی برکت تھی کہ ان دونوں کی جان بھی محفوظ رہی اور ان دونوں کی قربانی بھی منظور ہوئی۔ حضرت عبداللہ کی قربانی سے پیش تر، عرب میں انسانی جان کی دیت صرف دس اونٹ تھی لیکن اس واقعے کے بعد دیت سو اونٹ ہوگئی، اس مقدار میں اضافہ سے انسان کی قدر و قیمت زیادہ ہوگئی اور یہ قتل و غارت میں کمی کا باعث ہوئی گویا یہ برکت بھی نبی پاک ﷺ کے ظہور قدسی کی تمہید ہوئی کہ اس ہستی کے تشریف لانے سے قبل انسانی جان کی قدر بڑھی اور ظلم و ستم کا سلسلہ تھم گیا۔''

کامل ابن اثیر، خصائص کبریٰ، دلائل النبوۃ ابونعیم اور طبقات ابن سعد کے حوالے سے میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: ''حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستے میں آسمانی کتابوں کی پڑھی ہوئی ایک کاہنہ خاتون (فاطمہ مرالخثعمیہ) ملی، یہ بہت خوش شکل عورت تھی، اس نے حضرت عبداللہ کو بلایا اور ان سے اظہار محبت کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہیں سو اونٹ دیتی ہوں جو تمہارے بدلے اور فدیے میں تمہارے باپ نے قربان کیے ہیں، تم میری خواہش پوری کر دو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حرام کاری سے تو مر جانا بہتر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ عزت دار کو اپنی عزت و شرافت اور اپنے دین کا پاس و

لحاظ ضروری ہے۔اس خاتون کو یہ جواب دے کر حضرت عبداللہ اپنے والد کے پاس آ گئے۔ (حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ جاہلیت میں پاک باز ہونا اس واقعے سے ظاہر ہے)۔ (ربیع الابرار، مؤلفہ علامہ زمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ)، مطبوعہ مئوسستہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت ۱۴۱۲ھ،ص ۴۱۵ / ۳۔تاریخ مدینۃ دمشق،ص ۴۰۴ / ۳۷، مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ۔سبل الہدی والرشاد ص ۳۲۷ / ۱۔خصائص کبری ص ۴۰ / ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۹۶ / ۱)۔حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوگئی، اس کے کچھ دن بعد آپ کا اسی طرف گزر ہوا جہاں وہ کاہنہ رہتی تھی، اس خاتون نے حضرت عبداللہ کو دیکھا مگر مونھ پھیر لیا۔آپ نے اس سے پوچھا کہ اس روز تو اس قدر التفات تھا اور آج اتنی بے رخی! کیا ہوا؟ اپنی پیش کش کیوں نہیں دہراتیں! اس نے پوچھا کیا تمہاری شادی ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس نے کہا اے عبداللہ، میرے بارے میں بدگمانی نہ کرو، میں نے تمہارے ماتھے میں نور نبوت دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ وہ مجھ میں آ جائے مگر اللہ تعالیٰ کو جہاں منظور تھا اس نے وہاں رکھ دیا یعنی میں اس نبی کی ماؤں میں شامل ہونا چاہتی تھی جس کا نور تمہاری پیشانی میں تھا مگر یہ میری قسمت نہیں تھی۔ ؎

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی
اسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی میں دیوانی
مگر میں رہ گئی محروم، قسمت میری پھوٹی ہے
سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے''

(اعلام النبوۃ ص ۲۳۶۔ تاریخ مدینۃ دمشق،ص ۴۰۷ / ۳۔ سیرۃ حلبیہ،ص ۶۴ / ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۹۷ / ۱)۔ (جناب اشرفعلی تھانوی نے بھی نشر الطیب ص ۱۷ پر یہ واقعہ نقل کیا ہے)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری اپنی کتاب ''ضیاء النبی'' (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں جدید محقق امام محمد

ابوزہرہ مصری کی کتاب، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ص ۱۳۲ ج ا سے لکھتے ہیں: ''جب میں (بے ادب لوگوں کی ہرزہ سرائی پر) یہ تصور کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ اور سیدۂ عالم حضرت آمنہ (معاذ اللہ) نار (دوزخ) میں ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص میری سماعت اور میری فہم پر ہتھوڑے مار رہا ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ جوان تھے جن کا شعار صبر تھا، وہ اپنے باپ کی نذر کے مطابق ذبح ہونے پر راضی تھے۔ اپنی رضامندی سے آگے بڑھ کر اپنے سر کا نذرانہ پیش کیا اور جب قریش نے سو اونٹ بطور فدیہ دینے کے لئے کہا تو اس پر بھی بخوشی رضامند ہو گئے وہ حضرت عبداللہ جو اپنے بے پایاں حسن و شباب کے باوجود لہو ولعب سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور جب ایک دوشیزہ نے دعوت گناہ دی تو جھٹ اسے جواب دیا کہ تم مجھے حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتی ہو، اس سے تو مر جانا بہتر ہے، ایسے پاک باز اور صدق شعار نوجوان کو آخر کیوں دوزخ میں پھینکا جائے گا، حالاں کہ اسے کسی نبی نے دعوت بھی نہیں دی یعنی وہ زمانہ فترت میں تھے۔'' امام ابوزہرہ لکھتے ہیں:

''ہماری ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے جس پر ہم اس مسئلہ کے بارے میں تمام احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوین کریمین نے وہ زمانہ پایا جس میں رسولوں کی آمد منقطع تھی اور وہ دونوں اس ہدایت اور اخلاق کریمہ کے بالکل قریب تھے جو بعد میں ان کے لخت جگر (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بطور شریعت دنیا کو پیش کی اور قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ وہ مجاہدہ ہیں جو سراپا صبر تھیں اپنے فرزند دل بند کے ساتھ بڑی شفیق تھیں، انہیں آگ کیسے چھو سکتی ہے؟ کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ (معاذ اللہ) آگ میں جلائے جانے کی مستحق ہیں بلکہ دلیلیں تو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ان کی اور ان کے شوہر نامدار کی، جو ذبیح اور طاہر کے لقب سے ملقب تھے، ان پر جی بھر کر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جائیں......''

امام محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں: ''ہم اس نتیجے پر صرف اس لئے نہیں پہنچے کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کے رسول کریم ﷺ کی محبت ہے اور اس محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچیں، اگرچہ ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے محبوب کی محبت سے سرشار رکھے، لیکن ہم اس نتیجے پر اس لئے پہنچے ہیں کہ عقل، منطق اور خلق مستقیم کا قانون، شریعت کی مضبوط دلیلیں اور شریعت کے اغراض و مقاصد ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اس بارے میں اس نتیجے پر پہنچیں۔''

☆ قارئین کرام شاید یہ بھی جاننا چاہتے ہوں کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں شبہ کرتے ہیں ان کے شبہات کی وجہ کیا ہے؟ کیا ایسی کوئی صحیح روایات ہیں یا ان (معترض) لوگوں کے محض ذاتی احتمال ہیں؟ اس بارے میں اہل علم نے جو بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام تمام حقائق سے آگاہ ہوں۔

اس حوالے سے ایک شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فقہ اکبر میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں لکھا ہے: **ماتا علی الکفر**۔ کہ ان کی موت کفر پر ہوئی اور ملا علی قاری نے بھی فقہ اکبر کی شرح میں یہی ثابت کیا ہے۔ اس کے جواب میں تفصیل آپ اس کتاب کے مقدمہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں، دوبارہ عرض ہے کہ فقہ اکبر کے قدیم اور صحیح معتبر معتمد نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے، یہ الحاقی عبارت ہے یعنی کسی نے سازش کر کے اس کتاب کے بعد کے نسخوں میں یہ عبارت بڑھا دی ہے اور اس کے ثبوت میں اسی کتاب فقہ اکبر کے حوالے سے **استوی علی العرش** کی ایک عبارت کا ذکر بھی ہے جس کا حنفی علماء نے بہت سخت رد کیا ہے۔ اور قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ دشمنانِ دین کتابوں میں ایسی تحریفی سازشیں اکثر کرتے ہیں اور اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں، چناں چہ محققین نے ایسی بہت سی سازشوں کو بے نقاب کر کے حقائق پیش کئے ہیں۔ اکابر ائمہ دین یعنی دین کے بڑے بڑے اماموں اور بزرگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے لوگوں کو بہکانے اور فتنہ و

فساد کروانے کے لئے دین کے دشمنوں کی یہ سازشیں ہوتی آئی ہیں لیکن اہل حق نے ان سازشوں کو پنپنے نہیں دیا اور تحقیق و تفتیش کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے امت مسلمہ کو ان فتنوں سے بچایا ہے۔

علامہ طحطاوی درمختار کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی موت (معاذ اللہ) کفر پر ہوئی ہے، یہ امام اعظم ابوحنیفہ پر افترا ہے کیوں کہ فقہ اکبر کے معتمد نسخوں میں یہ عبارت ہی نہیں ہے اور اصل کتاب میں جو عبارت نہیں اسے دلیل بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ (کچھ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اصل الفاظ ''**ماماتا علی الکفر**۔'' تھے، لیکن کاتب سے دومرتبہ ''**ما**'' میں سے ایک ''**ما**'' سہواً (بھول یا توجہ نہ کرنے کی وجہ سے) رہ گیا۔ **واللہ اعلم** (یہاں اپنے قارئین کو یہ حقیقت بھی ضرور بتانا چاہوں گا کہ میری اس تحریر کی کمپوزنگ کرتے ہوئے بھی کمپوزر سے دومرتبہ یہی بھول ہوئی اور مجھے پروف پر واضح ہدایت لکھنی پڑی کہ ''ما'' کا لفظ دومرتبہ کمپوز کیا جائے۔ کوکب غفرلہ)

کہا جا سکتا ہے کہ علامہ ملا علی قاری کے پاس فقہ اکبر کا جو نسخہ پہنچا ہوگا وہ بھی تحریف شدہ ہوگا، ان سے اس معاملے میں یہ لغزش ہوگئی کہ انہوں نے بغیر تحقیق کیے اس نسخے کو درست مان کر اس کی عبارت پر حاشیہ آرائی کر دی۔ جب بنیاد ہی درست نہیں تو حاشیہ آرائی بھی غلط ہوگئی، اسی لئے تمام اہل علم نے اس حوالے سے ملا علی قاری کی اس حاشیہ آرائی کو مسترد کر دیا۔ مشہور فقیہ محمد مرعشی علیہ الرحمہ نے تو ملا علی قاری کی اس تحریر سے اپنی شدید ناراضی کا اظہار کیا، اس موضوع پر تفصیل اس کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں دوسرا شبہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ (یعنی اس کا انجام کیا رہا)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے۔ وہ شخص یہ سن کر واپس جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: **ان ابی و اباک فی النار**۔ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ

دوزخ میں ہے۔اس حدیث کی اصل اور صحیح روایت یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارا گزر کسی کافر کی قبر سے ہو تو اسے آگ کی بشارت دیا کرو۔

اس روایت کے مزید جواب میں اولا یہ عرض ہے کہ یہ ابوطالب کے بارے میں ہے، نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نہیں ہے۔آپ احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میرے باپ تم سب کے باپوں سے بہتر ہیں اور یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کافر و مشرک باپ پر فخر نہیں کیا جا سکتا اور نبی پاک ﷺ کا اپنے آباء و امہات پر فخر فرمانا واضح دلیل ہے کہ آپ کے تمام باپ اور مائیں، شرک و کفر کی آلودگی سے پاک تھے۔اور شرک پلیدی ہے اس حوالے سے بھی آپ تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں اور جان چکے ہیں کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو پاک پشتوں اور پاک شکموں میں منتقل فرمایا۔قرآن کریم میں آیہ تطہیر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے گھر والوں کو پاکیزگی و ستھرائی عطا فرمائی، انہیں ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھنے کا بیان فرمایا، نبی کریم ﷺ کی نسبت سے آپ کی ازواج و اولاد کو تطہیر کا اعلیٰ مقام و مرتبہ ملا، یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ خود نبی پاک ﷺ کا وجود (معاذ اللہ) کسی پلید وجود میں رہے۔قرآن ہی میں و والد وما ولد کے الفاظ بیان ہوئے اور مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں یعنی نبی پاک کے والد کی قسم اللہ تعالیٰ نے یاد فرمائی، علماء اسلام نے اس آیت کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور ان سے حضرت آدم علیہ السلام تک نبی پاک ﷺ کے تمام باپ پاک اور محترم ہیں اور خود حدیث شریف میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام تک نبی پاک کے تمام باپ پاک ہیں۔(تفسیر مظہری، رسائل تسع ص ۹۵)

یہاں ایک اور شبہ دور کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر بیان کیا گیا ہے اور سیرۃ حلبیہ میں علامہ علی بن برہان حلبی اور مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی نے اور

شمول الاسلام میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ تمام اہل تواریخ اور اہل کتابین اس پر متفق ہیں کہ آزر ہرگز والد نہ تھا، بلکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا چچا تھا۔ علامہ امام شہاب الدین خفاجی شافعی مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**ان ابی و اباک فی النار اراد بابیه عمه ابا طالب لان العرب تسمی العم ابا**۔ رسول کریم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے تو باپ سے ان (رسول اللہ ﷺ) کی مراد چچا ہے کیوں کہ عرب، چچا کو باپ کہتے ہیں۔'' (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض)۔ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین'' (ﷺ) میں فرماتے ہیں: '' آزر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا والد نہ تھا، چچا تھا اور عرب میں چچا کو باپ کہنا عام ہے، (سبل الہدی والرشاد، ص ۲۵۷ / ا۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۸ / ۱)۔ قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اذ قال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الھک واله ابائک ابراھیم و اسمعیل و اسحق** (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۳۳) جب کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ بیٹوں نے کہا ہم پوجیں گے تمہارے اس معبود کو جو تمہارے آبا (باپوں) ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق (علیہم السلام) کا بھی معبود ہے۔ اس آیہ شریفہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپوں میں ذکر کیا گیا ہے حالاں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کے چچا تھے۔ امام ابن ابی حاتم، امام ابن ابی شیبہ، ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت مجاہد اور حضرت جریج سے روایات نقل کی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح یا تارخ ہے اور آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، ہرگز والد نہ تھا۔ (رسائل تسع، ص ۳۸، ۳۹)۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ تھے، آزران کا چچا تھا، اس بارے میں علمائے اہل سنت کی متعدد مطبوعہ تحریریں موجود ہیں جن میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)۔

(میرے والد گرامی قبلہ علیہ الرحمہ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ) ''امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد (المتوفی ۶۵ھ) سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گل زار ہوگئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا، کس نے اس آگ کو (حضرت ابراہیم سے) دفع کردیا؟ تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ گرایا جس نے آزر کو جلا کر راکھ کردیا، اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان دنوں میں ہلاک ہوگیا تھا جن دنوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی گستاخی کی گئی تھی۔ حضرت ابراہیم نے آزر کے لئے استغفار کیا کیوں کہ آپ نے اس سے وعدہ فرمایا ہوا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا، پھر جب آپ پر آزر کے کفر اور اللہ سے دشمنی کو بالکل روشن کردیا گیا تو آپ اللہ کے اس دشمن آزر سے بے زار ہو گئے۔'' (رسائل تسع، ص ۴۰)

قرآن کریم سے ثابت ہوا کہ باپ کا لفظ چچا کے لئے بولا جاتا ہے۔ والد کا لفظ حقیقی باپ اور والدہ کا لفظ حقیقی ماں کے لئے ہے جب کہ ماں باپ کے الفاظ عرف عام میں بزرگوں کے لئے استعمال ہوتے آئے ہیں۔ دایا، دودھ پلانے والی خاتون یا عمر رسیدہ خواتین کو بھی ماں کہہ کے پکارنا عام ہے لیکن انہیں والدہ نہیں کہا جاتا، اسی طرح چچا اور دیگر بزرگوں کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے مگر انہیں والد نہیں کہا جاتا۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں تیسرا شبہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والدین کریمین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمایا گیا لہٰذا ثابت ہوا کہ (معاذ اللہ) وہ ایمان و اسلام والے نہیں تھے، ورنہ استغفار کی ممانعت نہ کی جاتی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ عدم استغفار کو کفر لازم نہیں (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲/۱۲۷) اور استغفار کے لئے منع فرمانے سے یہ سمجھ لینا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

والدین کریمین (معاذ اللہ) موحد و مومن نہیں تھے، یہ اسی شخص سے متصور ہو گا جس کا ان کے بارے میں عقیدہ صحیح نہیں ہو گا۔ ایسے لوگ جانے کیوں اپنی سمجھ کو تو اہمیت دیتے ہیں لیکن حقائق کو کسی خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ کیوں نہیں سوچتے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدموں کا نشان جس پتھر پر جم جاتا ہے اسے سجدہ گاہ بنا دیا گیا، حضرت سیدہ ہاجرہ جن پہاڑیوں پر سعی فرماتی ہیں انہیں شعائر اللہ بنا دیا گیا، جس مچھلی کے شکم میں حضرت سیدنا یونس علیہ السلام چالیس دن رکھے گئے اس مچھلی کے پیٹ میں خوش بو نے گھر کر لیا، حضرت آدم علیہ السلام نے جس ہرنی کی پشت پر شفقت سے ہاتھ پھیر دیا اس ہرنی کے شکم میں کستوری بننے لگی (حیاۃ الحیوان الکبری (عربی)، ص ۱۰۷ / ۲، اردو ترجمہ ص ۴۲۸ / ۲)، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے مس ہونے والا زمین کا ٹکڑا عرش معلیٰ سے افضل ہو گیا، زمین کے جس ٹکڑے پر کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک آئے وہ جگہ ریاض الجنتہ ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک جس شخص نے پی لیا اسے دنیا ہی میں جنتی مرد قرار دے دیا گیا اور جس کسی نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول مبارک پی لیا اس نے خود پر آتش دوزخ حرام ہونے کی نوید پا لی، جس دستر خوان سے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ پونچھ لئے اسے دنیا کی آگ بھی نہیں جلاتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے لگنے والا لباس وہاں نہیں جلتا جہاں جبریل امین کے پر جلتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بال مبارک صحابہ میں خود تقسیم فرماتے اور ان کی برکت سے اصحاب نبوی فتح و شفا پاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تراشیدہ ناخن مبارک اور دیگر تبرکات کو برکت و مغفرت پانے کے لیے صحابہ کرام اپنے کفن میں شامل کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ وہ مقدس و مطہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے لباس پر وہ مکھی نہ بیٹھ سکی جو نجاست پر بیٹھتی ہو...... اس مقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کوئی مومن یہ کیسے گمان کر سکتا ہے کہ وہ (معاذ اللہ) کسی مشرک پلید وجود میں نو ماہ رکھا گیا ہو یا جس وجود میں وہ رہے ہوں

وہ پلید ہی رہا......

استغفار سے منع فرمانے کے جواب میں امام سیوطی نے اپنے رسائل میں متعدد علماء کے اقوال نقل کیے ہیں اور خود بھی کئی جواب تحریر فرمائے ہیں۔ بعض علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ حکمت (دانائی) کی بات شاید یہ تھی کہ کہیں لوگ تمام اہل فترت کے لئے استغفار جائز نہ ٹھہرا لیں یا یہ کہ کہیں کوئی ان (والدین کریمین) کو مشرک یا گناہ گار نہ گمان کر لے۔ کم سن (نابالغ) بچوں کے لئے مغفرت (بخشش) کی دعا نہیں کی جاتی بلکہ انہیں اپنی بخشش کا سامان و وسیلہ بنایا جاتا ہے، مغفرت و بخشش کی دعا گناہ گاروں کے لئے کی جاتی ہے۔ نیکوں اور اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے درجات کی بلندی چاہی جاتی ہے، والدین مصطفیٰ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مغفرت کی دعا فرماتے تو شاید کسی کو کہنے کا موقع مل جاتا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی ظاہری تمام عمر اپنے والدین کی بخشش ہی کی دعا مانگتے رہے۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ نبی پاک کو تو خود اپنے لئے فرمایا گیا کہ اللہ سے مغفرت چاہتے رہو تو بلاشبہ یہ بیان، قرآن میں ہے مگر اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ نبی سے (معاذ اللہ) کوئی گناہ سرزد ہوئے جس کی معافی کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ یہ تعلیمِ امت کے لئے تھا۔

بعض علماء اسلام فرماتے ہیں کہ استغفار سے منع کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کر کے اہل ایمان کی فہرست میں ممتاز کرنا اور اعلیٰ درجہ عطا فرمانا تھا اور ان کو اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت کا شرف عطا فرمانا تھا۔

آپ خود خیال فرمائیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواج و اولاد کی شان اور پاکیزگی تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود بیان فرمائے اور قرابت رسول کی محبت واجب فرمائے، وہ رب جو ہر رشتے ناتے سے پاک ہے وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتوں ناتوں کو نہ صرف باقی رکھے بلکہ ان کے لئے بشارت ہو، اس مقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین

کریمین کے بارے میں کسی منفی خیال کی گنجائش ہی کہاں ہے! یقیناً کوئی مومن تو کوئی منفی تصور بھی نہیں کرے گا۔

قارئین کرام! دوست اور وابستگان کے لئے تعارف کی گنجائش ہوا کرتی ہے۔ آپ کسی کے پاس اپنے والدین کو تعارفی خط دے کر نہیں بھیجتے، آپ کی ان سے نسبت ہی کافی ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ آپ کو کسی بندے کے پاس اپنے والدین کے تعارف کی ضرورت نہ ہو اور یہ گمان کیا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو بارگاہ الٰہی میں تعارف کی ضرورت ہے؟ اللہ کریم نے مغفرت کی دعا سے منع فرما کر گویا یہی فرمایا کہ اے محبوب وہ تیرے والدین ہیں، انہیں تیرے والدین کریمین ہونے کا اعزاز ہم نے ہی عطا کیا ہے اور تیرے اکرام کو جاننے سمجھنے والے تیرے والدین کریمین کے لیے یہی کہیں گے کہ وہ تو مغفور ہیں انہیں ان کی مغفرت میں شبہ نہیں ہوگا۔ حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین ان لوگوں سے بہت بہتر ہیں جو نبی پاک کے والدین کے ایمان کے منکر ہیں۔ (روح المعانی ص ۵۸۴ / ۱)

اپنے قارئین کے لئے اس روایت کے اصل الفاظ بھی نقل کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس سے جو مسائل ثابت ہوتے اور جو حقائق واضح ہوتے ہیں، قارئین ان سے بھی آگاہ رہیں:

حدیث شریف کی مشہور کتاب مسلم شریف کے **(باب فی زیارة القبور والاستغفار لهم)** میں روایت ہے: **عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال، زار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر امه، فبکی، وابکی من حوله، فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استاذنت ربی فی ان استغفرلها ، فلم یاذن لی، واستاذنته فی ان ازورقبرها فاذن لی ، فزوروا القبور فانها تذکر الموت۔**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت کی تو روئے اور رلایا انہیں جو ان کے اردگرد تھے، پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ اپنی ماں کے لئے استغفار کروں (بخشش کی دعا کروں) تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور اجازت چاہی میں نے کہ ان (اپنی والدہ) کی قبر شریف کی زیارت کروں تو مجھے اجازت دی گئی۔ پس (اہل ایمان کی) قبروں کی زیارت کیا کرو کیوں کہ بے شک یہ (قبروں کی زیارت) موت یاد دلاتی ہے۔ اس حدیث شریف میں غور فرمایئے:

بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے، جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ والدین اور اہل ایمان کی قبروں کی زیارت کو جانا چاہئے اور یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے اور قبروں کی زیارت کے لئے جانا بغیر سفر کے نہیں ہوتا، قریب ہو یا دور، سفر کرنا ہوگا تو زیارت قبور کے لئے سفر کو غلط کہنا سنگین غلطی ہے۔ (☆)

نسبت و تعلق، قرابت و محبت کے سبب سے قبر کی زیارت کرتے ہوئے رونا آجائے تو یہ غلط نہیں۔ زائر کے ساتھی اگر اس کے ساتھ شریک غم ہو جائیں اور نسبت محبت و عقیدت میں وہ بھی روئیں تو یہ بھی غلط فعل نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ماں باپ یا بزرگ ہستیوں کی قبروں کو اور ان کی شناخت کو قائم رکھنا غلط نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی استاد اپنے شاگردوں یا پیر اپنے مریدوں کے ساتھ اپنے ماں باپ یا بزرگوں کی قبر کی زیارت کو جائے تو یہ قبر پر میلہ لگانا نہیں بلکہ درست فعل ہے اور اس حدیث شریف سے خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت ثابت ہوتی ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی جدائی و فراق میں روئے کہ آج وہ ظاہری حیات میں ہوتیں تو مجھے اور جو مبارک واقعات میری ولادت کے وقت انہوں نے دیکھے تھے، اس شان سے ان کا ظہور دیکھ کے خوش ہوتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ

(☆) زیارت قبور اور اس کے لیے سفر وغیرہ کی تفصیل، رسالہ قبر کے احکام و آداب میں ملاحظہ فرمائیں۔

تعالیٰ عنہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے ان کی قرابت کی محبت وعقیدت میں روئے۔

وہ لوگ جو اپنے ذہنوں میں پاکیزگی اور اپنے دلوں میں عشق ومحبت نہیں رکھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ دعائے مغفرت سے منع کیا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ والدہ ماجدہ (معاذ اللہ) ایمان والی نہیں تھیں۔ اس بارے میں یہی عرض ہے کہ ایمان والا ہی عقل وشعور سے فیض یاب ہوتا ہے، جس کے پاس دین نہیں رہتا عقل بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ وہ لوگ اس حدیث شریف میں غور نہیں کرتے، اگر والدہ ماجدہ ایمان والی نہ ہوتیں تو ان کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی نہ ملتی کیوں کہ قرآن کریم میں کافروں منافقوں کی قبر پر کھڑے ہونے سے واضح طور پر منع فرمایا گیا ہے (**ولاتقم علی قبرہ** ۔سورۂ توبہ) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت کی اجازت ملنا ثابت کرتا ہے کہ وہ بلاشبہ مومنہ تھیں۔ ان کے ایمان کے حوالے سے قارئین تمام تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ رہی یہ بات کہ استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تو پہلی بات تو یہ ہے کہ استغفار سے منع کرنا ان کے کفر کو لازم نہیں کرتا اور مزید یہ کہ اہل فترت کو کسی نبی ورسول کی دعوت ہی نہیں پہنچی تو ان کے لئے استغفار کا تصور بھی نہیں، علاوہ ازیں استغفار کی اجازت نہ دینے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ کسی کو یہ وہم وگمان نہ ہو کہ (معاذ اللہ) والدین مصطفیٰ بدعقیدہ یا گناہ گار تھے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کی بخشش ونجات بھی صرف دعا و استغفار ہی سے ہوئی۔ علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ نابالغ بچوں کے لئے مغفرت کی دعا نہیں کی جاتی کیوں کہ وہ بے گناہ ہوتے ہیں اور دعائے مغفرت گناہ گار کے لیے ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ علمائے اسلام نے کہا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی تو کوئی ان کے گناہ گار ہونے کا وہم کر لیتا اور اپنے حبیب کریم کے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ان کے بارے میں ایسا گمان بھی کرے۔ (**واللہ اعلم**)

شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی اور کہا جاتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے والدین ہرگز کافر و مشرک نہیں ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کے لئے مغفرت کی دعا کیوں ہوئی؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے چچا آزر کے لئے بھی استغفار کیا جس پر آزر کا سخت دشمنِ خدا ہونا ان پر واضح کیا گیا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والدین کے لئے دعا نہ فرماتے تو قرآن پڑھنے والے یہ شبہ کر سکتے تھے کہ آزر ہی ان کا والد تھا مگر حضرت ابراہیم کی اپنے والدین کے لئے دعا نے واضح کر دیا کہ آزر ہرگز ان کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور اہل عرب چچا اور پرورش کرنے والے کو باپ کہتے ہیں۔ اس دعا کے بیان نے حقائق واضح کئے گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دعا کی ضرورت تھی اور ہماری تعلیم کے لئے بھی ضرورت تھی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کسی منفی شبہے کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اور مجھے حیرت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو مومن نہ ماننے والے شاید یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان کے ثبوت کے لیے کسی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے! ایسی کوئی ہستی امت میں نہیں کہ صرف اس کی گواہی پر ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو مومن مانا جائے، جس ہستی کا کلمہ پڑھ کر کوئی شخص مومن و مسلم ہوتا ہے یعنی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی کے بعد کسی کے پاس کون سی قطعی دلیل یا صحیح و صریح حدیث ہے جس سے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان و اسلام کا انکار کرے؟ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود گواہی دے دی اور اپنے والدین کو دین کی تکمیل کی آیت کے نزول کے بعد زندہ فرما کر اہل ایمان کی اس فہرست میں بھی ممتاز فرما دیا، اس کے بعد انکار کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اور یہ ان کی خصوصیت ہے کہ انہیں زندہ کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کلمہ بھی پڑھوا دیا تا کہ انہیں اہل فترت ہونے کی وجہ

سے ہی رعایت ومغفرت حاصل نہ ہو بلکہ وہ اہل ایمان میں نمایاں شامل ہوں اور برگزیدہ اولیاء شمار ہوں۔

اگر کوئی اسے ناممکن مانے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہیں اور وہ نہیں جانتا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ کسی نبی کی دعا رد نہیں ہوتی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ومطلوب ہیں۔ قارئین کے ایمان کی تازگی اور پختگی کے لئے اس حوالے سے اپنے والدگرامی علیہ الرحمہ کی کتاب الذکر الحسین سے مزید کچھ اقتباس پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

''علامہ عبدالرحمٰن سہیلی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب روض الانف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہو کر ایمان لانے کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قادر ہے، اس کی رحمت اور اس کی قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات کے اہل ہیں (یہ مرتبہ رکھتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ اپنے فضل و انعام سے ان پر جو چاہے خصوصیت سے کرم فرمائے۔

علامہ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی اپنی کتاب ''مورد الصادی بمولد الہادی'' میں فرماتے ہیں:

حبا الله النبی مزید فضل — علی فضل و کان به روفا

فاحیا امه و کذا اباه — لایمان به فضلا لطیفا

فسلم فالقدیم بذا قدیر — وان کان الحدیث به ضعیفا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فضل پر مزید فضل عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رافت (بہت مہربانی) فرماتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ (حضرت سیدہ آمنہ) اور آپ کے والد (حضرت سیدنا عبداللہ) کو پھر زندہ فرمایا تا کہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائیں، ان دونوں کو پھر زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و الطاف ہے تو احیائے

والدین کریمین کے اس واقعے کو دل و جان سے مان لو، اللہ تعالیٰ اس بات (یعنی والدین کریمین کو زندہ کرنے اور انہیں ایمان دینے) پر قدرت رکھتا ہے، اگرچہ اس بارے میں بیان کی گئی حدیث ضعیف ہے۔

امام المفسرین محمد بن ابی بکر جنہیں علامہ قرطبی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اپنی کتاب ''التذکرہ فی احوال الموتی و امور الآخرۃ'' میں فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے فضائل و خصائص آپ کی وفات تک پے در پے، متواتر بڑھتے اور زیادہ ہی ہوتے رہے، یہ (آپ کے والدین کا پھر زندہ ہونا اور ایمان لانا) اسی فضل و کرم میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا ہے اور آپ کے والدین کا پھر زندہ کیا جانا اور ایمان لانا، نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ ہی شرعاً (یعنی عقلی اور شرعی طور پر نہ ماننے والی یا ناممکن بات نہیں)، چناں چہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل کے قتل ہونے والے شخص کو زندہ کیا گیا اور اس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بہت سے مردوں کو زندہ کیا ہے (بلکہ درخت کے بے جان سوکھے تنے کو صرف آپ کے لباس مبارک کے لمس سے قوت گویائی عطا ہوئی)۔ جب یہ ثابت ہے تو پھر آپ کے والدین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کا انکار کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہ واقعہ تو آپ کی فضیلت و مرتبت کو زیادہ کرتا ہے۔ (فرماتے ہیں کہ) یہ کہنا کہ جو شخص غیر مومن مرا ہو، اس کو دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانا نفع نہیں دے گا، یہ کلام مردود ہے، اس حدیث کے ساتھ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹایا (وادی صہبا میں جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی)، امام طحاوی نے (مشکل الآثار میں) اس حدیث کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے (یعنی صحیح ہے)۔ اگر آفتاب کا پلٹ آنا، نافع و مفید نہ ہوتا اور اس کے پلٹنے سے وقت کی تجدید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ سورج کو آپ پر واپس نہ لوٹاتا (یعنی گزرا ہوا وقت

واپس نہ آتا تو سورج کو لوٹانا بے فائدہ ہوتا، چناں چہ حضرت علی نے بروقت نماز عصر ادا فرمائی) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا زندہ ہوکر ایمان لانا ان کے لئے نافع ومفید ہوا اور نبی کریم کی تصدیق سے ان کا نفع ہوا۔'' (مواہب لدنیہ، زرقانی ص ۱۷۱/۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲۴/۲۔ رسائل تسع ص ۱۴۲، ۲۰۴)

قارئین کرام! آپ اندازہ کرلیں کہ علم نافع رکھنے والے علمائے اسلام کی ایمانی بصیرت اور عقیدت ومحبت کا احوال کیا ہے اوران کی یہ تحریریں ہمیں بتاتی ہیں کہ ایک مومن کا طرزفکر و استدلال کیا ہونا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کوئی یہ کہنا چاہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے پھر زندہ ہونے اور ایمان لانے کے بیان والی حدیث شریف میں ضعف بتایا گیا ہے یعنی یہ حدیث ضعیف ہے، تو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے ایمان میں شبہ کرنے والی روایات بھی صحیح وصریح نہیں بلکہ ضعیف ہی بتائی گئی ہیں اور ضعیف روایات کو احکام یا عقائد میں حجت نہیں مانا جاتا لیکن فضائل کے بیان میں ضعیف حدیث کو سبھی قبول کرتے ہیں اور یہ احیائے ابوین بلاشبہ نبی کریم کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضیلت وفضائل کی بات ہے۔ چناں چہ ملاحظہ ہو: محدثین ومحققین نے جن احادیث کو ضعیف کہا ہے ان کے ضعف کی وجہ بھی بیان کی ہے اور مسائل وفضائل ہر دو کے بارے میں اصول وقواعد مختلف ہیں۔ اگر حدیث فی الواقع ضعیف ہو تو کسی بات کا واجب ہونا ثابت نہ ہوگا مگر مستحب یعنی پسندیدہ ہونا ثابت ہو گا اور فضائل میں تو سبھی ضعیف روایات کو قبول کرتے ہیں۔ کسی حکم، عمل یا بات کے وجوب و استحباب کے اثبات میں محدثین جو حدیث پیش کرتے ہیں، اس حدیث شریف کا اصطلاحی درجہ بھی بیان کرتے ہیں، حدیث سے ناواقف یا حدیث کو کم تر سمجھنے والے جہلاء وغیرہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ضعیف حدیث سے مراد غلط یا جعلی حدیث نبوی ہے جب کہ ضعیف حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں واضح فرماتے ہیں کہ ضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ حدیث باطل ہوتی ہے بلکہ ضعیف حدیث دراصل محدثین کی مقرر

کردہ چند شرائط میں سے کچھ شرائط پر پوری نہ اترنے والی حدیث کو کہتے ہیں، اسناد میں روایت کے ضعف (کمزوری) کے باوجود وہ حدیث، صحیح ہی ہوتی ہے۔علمائے دیوبند میں مشہور جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ حدیث، جعلی نہ ہو، ضعیف ہو تو بھی استحباب ثابت ہو جاتا ہے: **والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع**۔ (مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم) اور غیر مقلد اہل حدیث کہلانے والوں میں مشہور جناب نذیر حسین محدث فرماتے ہیں: حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو، استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔(فتاوی ثنائیہ بحوالہ فتاوی نذیریہ، ج ا ص ۳۱۵)۔نیل الاوطار میں جناب شوکانی بھی فرماتے ہیں کہ ضعیف روایات مل کر بلند مرتبہ ہو جاتی ہیں اور مستحب (پسندیدہ) اعمال میں کام دیتی ہیں......ضعیف حدیث کی بنیاد پر کسی کو کافر و مشرک ہرگز نہیں کہا جاتا لیکن ضعیف روایت فضائل میں ضرور قبول کی جاتی ہے۔حدیث پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حدیث کے ماہرین نے حدیث کی صحت پرکھنے کیلئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں۔ راوی (سن کر یا دیکھ کر بیان کرنے والے) کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے حدیث کو ضعیف (کمزور) کہا جاتا ہے یا اصل الفاظ بیان کرنے کی بجائے اپنے لفظوں میں معنی بیان کرنے پر حدیث شریف کے راوی پر کلام کیا جاتا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حدیث موضوع یا جعلی ہے۔

قارئین غور فرمائیں: قرآن کریم میں ہے کہ قرابت رسول کی محبت اہل ایمان پر واجب ہے اور یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا ایسا سنگین جرم ہے جو لعنت و عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ابولہب کی بیٹی (حضرت سبیعہ) کو جہنم کے ایندھن کی بیٹی کہہ کر پکارا گیا تو رسول کریم ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچی، حالاں کہ ابولہب کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ جہنم کا ایندھن نہیں مگر اس کی مسلمان ہو جانے والی بیٹی کو کافر باپ کی نسبت سے طنز و طعن کے طور پر پکارنا باعث اذیت ٹھہرا، تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے مومن والدین کریمین کے بارے

میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ نبی پاک ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچاتے ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک منافق شخص جو ایک علاقہ کی مسجد کا امام بنا ہوا تھا، روزانہ صرف ایک ہی سورت پڑھتا، اس کا صرف اسی ایک سورت کو پڑھنا دراصل اس کی بری نیت اور بے ادبی کے سبب سے تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس منافق کو بلایا اور اس سے پوچھا، اس امام کے جواب سے واضح ہو گیا کہ وہ پکا منافق ہے، چناں چہ حضرت عمر نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا کیوں کہ بے ادبی کی نیت سے قرآن پڑھنا کفر ہے۔ قارئین بخوبی جان لیں گے کہ وہ منافق شخص قرآن ہی پڑھتا تھا مگر بے ادبی کی اور بری نیت سے پڑھتا تھا۔ حضرت سبعیہ کو جو لوگ جہنم کے ایندھن کی بیٹی کہہ کے پکارتے وہ بھی قرآن ہی کی خبر کے مطابق کہتے مگر طنز وطعن اور تحقیر واہانت کے طور پر کہتے تھے، تو جو لوگ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کو (معاذ اللہ) غیر مومن یا غیر جنتی کہتے ہیں وہ تو قرآن کے مطابق بھی نہیں کہتے تو انہیں جان لینا چاہیئے، کہ رسول کریم ﷺ کا معاملہ بہت نازک ہے، ان کی بے ادبی وگستاخی کی نیت سے قرآن پڑھنا یا ان کی چچازاد بہن کو طنز وطعن سے پکارنا سنگین جرم اور ایذائے رسول کا باعث ہے تو نبی کریم ﷺ کے مقدس والدین کریمین کا ذکر گستاخی وبے ادبی کے لہجہ والفاظ میں کرنا کس قدر شدید تکلیف واذیت کا موجب ہوگا اور ایذائے رسول نہایت مہلک جرم ہے جس کے مرتکب کے لئے لعنت وعذاب کی واضح خبر قرآن نے دی ہے۔

قارئین کرام! سراج منیر شرح جامع صغیر، ص ۲۷۹ / ۳ میں ہے، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت پہنچائی اس نے درحقیقت مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی دراصل اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔ (کنز العمال ۳۴۱۴۹، ص ۴۵ / ۱۲)

مزید ملاحظہ فرمائیں: مسلم شریف میں حدیث شریف ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ (کنز العمال ۳۴۸۳۴، ص ۱۰۷ / ۱۲) اور اسی مسلم شریف میں دوسری روایت یوں ہے کہ جو شخص بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں رانگ کی طرح پگھلائے گا۔ اور سراج منیر، ص ۲۸۰ / ۳ میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اذیت دے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس شخص کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل۔ (کنز العمال ۳۴۸۱۳، ص ۱۰۷ / ۱۲)

اندازہ کیا جائے نبی کریم ﷺ کے ایک بال مبارک کو اذیت پہنچانا رسول کریم ﷺ کو اور اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچانا ہے یہی نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ کے شہر مقدس میں ان کے پڑوسیوں کو صرف ایذا دینا ایسا جرم قرار دیا گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کی وعید سنائی گئی اس کے بعد وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے مومن اور جنتی والدین کریمین کے لئے نامناسب طرز بیان یا کھلی بے ادبی کے مرتکب ہوں ان کی بدبختی اور برے انجام میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

علمائے اسلام نے واضح فرمایا ہے کہ جو کوئی نبی پاک ﷺ کی مبارک نعلین (مقدس جوتیوں) کو ''جتڑی'' اور ان کے لباس مبارک کو حقارت سے میلا کہہ دے، وہ سخت بے ادبی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے اپنا ایمان ضائع کر دیتا ہے۔ ہوش اور احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے مقدس و محترم والدین کریمین کا معاملہ ہے۔ کوئی خود کو علامہ وفہامہ ثابت کرنے کے لئے اگر گستاخی و بے ادبی کے لہجے اور سنگین الفاظ میں نبی پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبتوں کی توہین کرتا ہے تو وہ اپنے علم و ہنر سے خود اپنے لئے تباہی کا سامان کرتا ہے، ایسی بات سے سکوت بہتر ہے، کیا فائدہ ایسی گفتگو وتحریر کا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی واذیت کا باعث ہو جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کریم کے وہ محبوب ہیں کہ ان کی بارگاہ کے آداب خود اللہ کریم نے تعلیم فرمائے ہیں، ان کی بارگاہ میں صرف آواز کا اونچا کرنا عمر بھر کے نیک اعمال کی بربادی کا سبب ہو جاتا ہے اور ان کے حوالے سے معمولی سی بے ادبی، دین وایمان سے محروم کر دیتی ہے اور شدید عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان میں شک وشبہے کی بات ہے انہوں نے اجتہادی خطا کی اور تحقیق کے تمام مرحلے پورے نہیں کیے، میں گمان کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا یہ فعل، ان کی اس بارے میں مکمل تحقیق سے ناواقفی کا نتیجہ اور شدید اجتہادی خطا تھا۔ اللہ کریم ہمیں ایمان پر استقامت اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین جانتے ہوں گے کہ ابولہب (عبد العزی) نے اپنی لونڈی ثویبہ سے اپنے مرحوم بھائی حضرت عبداللہ کے ہاں فرزند کی ولادت کی نوید سن کر خوشی سے اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو ابولہب دشمن ہو گیا، کفر پر مرا اور جہنم کا ایندھن ہونے کی بشارت اسے دنیا ہی میں ملی، اس کے باوجود بخاری میں موجود روایت کے مطابق ابولہب نے صرف بھتیجا سمجھ کر میلاد مصطفیٰ کی خوشی منائی تو اسے اس خوشی منانے کا فیض ہر پیر کے دن اب بھی قبر میں ملتا ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۶۷ / ۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۴۹ / ۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۱۰۸ / ۱۔ تاریخ الاسلام ذہبی ص ۴۵ ج سیرۃ النبویہ) اندازہ کیا جائے کہ ثویبہ کو تو ولادت کے خوش خبری دینے کی وجہ سے غلامی سے آزادی مل جائے، اور ابولہب کو صرف بھائی کا بیٹا سمجھ کر اس کی ولادت کی خوشی منانے کا فیض ہر ہفتے ملے تو ہم جان لیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ نے تو متعدد بشارتیں

پائیں کہ ان کے شکم اقدس میں نبیوں کا نبی ﷺ ہے، انہوں نے دودھ پلایا، محبت سے کچھ برس پالا اور ان کے اپنے جس قدر ارشادات ہیں وہ گواہ ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے فرزند کے نبی ہونے سے باخبر تھیں بلکہ اس پر بہت خوش تھیں، پھر ان کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ جنتی نہیں؟ (رسائل تسع، ص ۱۵۹)۔ ان کی ظاہری دنیوی حیات میں انہیں دعوت بھی نہیں دی گئی یعنی نبی پاک ﷺ نے ان پر اپنی نبوت پیش بھی نہیں کی اور سیدۂ عالم کا انکار بھی ثابت نہیں بلکہ بغیر دعوت کے ہی ان کے تمام اقوال سے اقرار ظاہر ہے اور ان کے آخری کلمات، اقرار توحید اور ردشرک میں بالکل واضح ہیں اور ان کے دین ابراہیمی پر ہونے اور بت پرستی سے پاک ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

جناب اشرفعلی تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب (مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند) کے ص ۱۷ پر لکھتے ہیں: "آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو، جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا: **اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد۔** اور ان کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔" (سبل الہدی والرشاد ص ۳۲۸ / ۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۸۳ / ۳۔ الروض الانف، ص ۱۸۰ / ۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۸۲ / ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۷۵، ۸۰، ۹۱ / ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۹۸ / ۱، ص ۱۵۱ / ۱۔ خصائص کبریٰ، ص ۴۲ / ۱)۔ ص ۱۸ پر فرماتے ہیں: "محمد بن سعد نے ایک جماعت سے حدیث بیان کی، اس میں عطاء اور ابن عباس بھی ہیں کہ حضرت آمنہ بنت وہب (آپ کی والدہ ماجدہ) کہتی ہیں کہ جب آپ یعنی نبی ﷺ میرے بطن سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک نور نکلا جس کے سبب مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا" (سیر اعلام النبلاء ص ۳۵ / ۱۔ خلاصہ سیر سید البشر، ص ۲۹۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۷۹ / ۳۔ رسائل تسع، ص ۵۹۔ سبل الہدی والرشاد ص ۳۴۲ / ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۱۴۹ / ۱۔ خصائص کبریٰ ص ۴۶ / ۱۔ ابن

عسا کر ص ۱۶۸ / ا۔ کنز العمال ۳۲۱۱۱ ،ص ۲۰۳ / ۱۱۔ تاریخ الاسلام ذہبی، ص ۴۲ ج
سیرۃ النبویہ)" پھر آپ زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دئے ہوئے تھے، پھر آپ
نے خاک کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ **ف**: اسی نور کا ذکر ایک
دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ اس نور سے آپ کی والدہ نے شام کے محل دیکھے، حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی واقعہ کی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے: **ورویا امی التی رأت**۔" (سیر اعلام
النبلاء ص ۳۶ / ا۔ سبل الہدی والرشاد ص ۳۴۱ / ا۔ رسائل تسع ص ۵۹۔ دلائل النبوۃ بیہقی،
ص ۸۰ / ا۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۷۷ / ا)" اور اس میں یہ بھی آپ کا ارشاد ہے: **و کذلک
امهات الانبیاء یرین**۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں۔
**اخرجه احمد والبزار والطبرانی و الحاکم والبیهقی عن العرباض بن
ساریه و قال الحافظ ابن حجر صححه ابن حبان والحاکم کذا فی
المواهب**۔" (تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۶۸ / ۱)

ص ۲۱ پر لکھتے ہیں " حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے مروی ہے کہ ایک یہودی مکہ
میں آرہا تھا، سو جس شب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اس نے کہا اے گروہ قریش کیا تم میں
آج کی شب کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، کہنے لگا کہ دیکھو کیوں کہ
آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے، اس کے دونوں شانوں کے درمیان میں ایک
نشانی ہے (جس کا لقب مہر نبوت ہے) چناں چہ قریش نے اس کے پاس سے جا کر تحقیق کیا
تو خبر ملی کہ حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی آپ کی والدہ
کے پاس آیا (اور نو مولود کو دیکھنا چاہا تو) انہوں نے آپ کو ان لوگوں کے سامنے کر دیا، جب
اس یہودی نے وہ نشانی (مہر نبوت) دیکھی تو بے ہوش کر گر پڑا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل
سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے گروہ قریش سن رکھو، واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ
مشرق و مغرب سے اس کی خبر شائع ہو گی۔ روایت کیا اس کو یعقوب بن سفیان نے اسناد

حسن سے یہ فتح الباری میں کہا ہے کذا فی المواہب۔'' (تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۱۷/ ۳۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۰۸/ ۱۔ حیاۃ الحیوان، ص ۲۱۵/ ۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۳۹/ ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۱۲/ ۱۔ خصائص کبری ص ۴۹/ ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۱۶۳/ ۱) الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ (۱۳۰۵ھ) مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے ص ۷ تا ۱۰ میں بھی یہ روایات درج ہیں۔

(خصائص کبریٰ از امام سیوطی، مواہب لدنیہ از امام قسطلانی، زرقانی از امام زرقانی، شواہد النبوۃ از مولانا جامی میں دیگر مفصل روایات بھی ہیں جنہیں میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الذکر الحسین میں نقل فرمایا ہے)۔

ان مختصر روایات کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ قارئین اندازہ کریں کہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدۂ عالم حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسلام اللہ علیہا کے ارشادات واضح کرتے ہیں کہ انہیں بشارت دی گئی کہ وہ کس ہستی کی والدہ ہونے کی سعادت پا رہی ہیں (ان واقعات کو دیوبندی وہابی علماء بھی وثوق سے نقل کر رہے ہیں)۔ غور کیا جائے کہ والدہ ماجدہ ان بشارتوں کا ذکر کتنی مسرت سے فرماتی ہیں اور حضرت حلیمہ سے فرماتی ہیں کہ میرے اس بیٹے کی خاص شان ہے اور ولادت سے قبل اور ولادت کے وقت ظہور پانے والے واقعات سناتی ہیں۔ کیا یہ سب اس بات کی گواہی نہیں ہیں کہ وہ سمجھتی تھیں کہ ان کا بیٹا نبی آخر الزمان ہے، اسی لئے بوقت وفات فرماتی ہیں **فانت مبعوث الی الانام** تو سارے جہان کی طرف مبعوث ہوا ہے یعنی رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، میں تو یہی کہوں گا کہ اس محترم ومکرم اور مقدس ومطہر خاتون کے ایمان کے اتنے شواہد کے ہوتے ہوئے ان کے ایمان میں شبہ کرنے والے اپنے ایمان کی فکر کریں۔

یہ فقیر ایمانی و روحانی مسرت محسوس کر رہا ہے کہ اسے نبی کریم ﷺ کے مبارک والدین کریمین، مومن و مسلم والدین کریمین، جنتی اور بارگاہ الٰہی میں مقبول و برگزیدہ

والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسلام اللہ علیہما کے بارے میں یہ عاجزانہ ہدیہ محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، مجھے یقین ہے کہ میرے محبوب کریم رؤف ورحیم آقا حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا ہدیہ قبول فرمائیں گے اور محشر میں میرے والدین کو اور مجھے اپنی شفاعت سے نوازیں گے۔

مجھ سے اس تحریر میں کوئی بھول چوک ہوئی ہو یا طرز بیان میں کوئی خطا ہوئی ہو اس کے لئے اللہ کریم سے طالب عفو ومغفرت ہوں، اللہ کریم میرے تمام معاصی سے درگزر فرمائے اور دارین میں میرا بھرم اور مجھ پر اپنا کرم رکھے، **آمین بجاہ طہ و یس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی ابیہ و امہ وآلہ و بارک وسلم اجمعین**

محرم الحرام ۱۴۲۰ھ — بندہ! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

کراچی۔